

www.almubashir.org

تعلیمی و تربیتی رسالہ

شمارہ نمبر 2، جولائی 2015

المبشر

عیدِ میلادِ نبویؐ



المبشر

شمارہ نمبر 2، جولائی 2015

سرپرست اعلیٰ محمد مبشر نذیر

حافظ محمد شارق

مدیر

ساجد محمود، سلمان حامد

آئی ٹی ٹیم

محمد مبشر نذیر، حافظ محمد شارق، شکیل عاصم،
مدیحہ فاطمہ قاسم، عدیلہ کوب، رابعہ ریحان،
ساجد محمود، شمیم مرتضیٰ، پروفیسر محمد عقیل،
حفیظ بابر، سید اسرار احمد

مجلس تحریر

www.islamic-studies.info

www.almubashir.org

www.islamic-studies.info/lms

آفیشل ویب سائٹ

رسالے کی ویب سائٹ

لرننگ مینجمنٹ سسٹم

رابطہ کرنے اور تحریریں بھیجنے کے لیے

almubashir.isp@gmail.com

پیش نظر

دستک		
5	حافظ محمد شارق	مدیر کے قلم سے ---
فہم دین		
7	حافظ محمد شارق	تعارف قرآن (۲)
12	پروفیسر محمد عقیل	فہم القرآن
15	حسنات محمود	پیغام حدیث (حلاوتِ ایمان)
18	حافظ محمد شارق	اعتکاف کی فضیلت اور اس کے مسائل
بزمِ ادب		
24	حافظ محمد شارق	وحی اور انسان کی سرگذشت (۲)
اسلام اور عصرِ حاضر		
27	سید اسرار احمد	تخریب میں تعمیر
تاریخ و سیرت		
30	محمد مبشر نذیر	مسلم دنیا میں کاغذ کا انقلاب

تزکیہ نفس و تعمیر شخصیت		
34	حافظ محمد شارق	سماجی خوف (Social Shyness) سے نجات کیسے؟
36	مدیحہ فاطمہ قاسم	اپنی ذات میں استقامت کیسے پیدا کریں؟
سلسلہ مضامین		
40	انیلہ عارف	آئیے توبہ کریں
42	عدیلہ کوکب	ہمارے رسول ﷺ اور عید
گوشہ نساء		
46	پروفیسر محمد عقیل	شوہر سے بدگمانی
سفرنامہ / روداد		
48	پروفیسر محمد عقیل	ابلیس سے جنگ کی روداد (۲)
مسائل و مسائل		
51	جواب: حافظ محمد شارق	حاسبہ اخلاق اور پیغمبروں کی ضرورت
متفرقات		
52	ترتیب: عدیلہ کوکب	گلدستہ۔۔ (دلچسپ تحریریں)
55	ترتیب: سید اسرار احمد	آئی ایس پی خبرنامہ

ادارے کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

مدیر کے قلم سے

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ اس وقت جولائی کا آغاز ہو چکا اور رمضان کا آخری عشرہ بھی قریب ہے۔ رمضان کا ایک تہائی حصہ گزر چکا۔ یوں لگتا ہے گویا کل ہی کی بات ہے کہ جب ہم سب ایک دوسرے کو رمضان کی آمد پر مبارک باد پیش کر رہے تھے۔ اور آج رمضان ہم سے رخصت ہونے کو ہے۔ یہی حال ہماری پوری زندگی کا ہے۔ ہم ماضی پر نگاہ ڈالیں تو یوں محسوس ہوتا ہے گویا ایک دن ہی زندگی ہے۔ جب آخرت میں ہم سب اپنی آنکھ کھول کر ماضی پر نگاہ ڈالیں گے تو یہی محسوس ہو گا کہ شاید ایک صبح زندہ رہے یا شام۔

رمضان کا بیشتر حصہ گزر چکا ہے لیکن یوں سمجھ لیں کہ برکتیں سمیٹنے کے لحاظ سے یہ چند دن بیٹے ہوئے دنوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ جب بیچنے والا کاروبار کا آخری وقت دیکھتا ہے تو چیزیں انتہائی سستے داموں بیچنا شروع کر دیتا ہے اور بعض اوقات کلوزنگ کی وجہ سے ایک چیز خریدنے پر کئی چیزیں فری میں دے دیتا ہے۔ کم و بیش یہی معاملہ رمضان کے آخری عشرے کا بھی ہے۔ یہ اس ماہ مبارک کا وہ اہم حصہ ہے جو ہمارے لیے جہنم کی آگ سے خلاصی کا پروانہ لے کر آتا ہے۔ اس عشرے میں بے پایاں رحمت اور روحانیت کی وہ برسات ہوتی ہے کہ اگر ہم پر یہ غیب کھل جائے تو اس کی عقل دنگ رہ جائے۔ مگر اس خوش گمانیوں کے ساتھ صحیح حدیث میں بیان کردہ وہ واقعہ بھی یاد کر لیجیے جب جبرائیل امین علیہ السلام پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور بدعا فرمائی کہ ہلاک ہو وہ شخص جو رمضان المبارک کا مہینہ پائے اور اپنی مغفرت نہ کرا لے۔ اس دعا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کہی۔

یہ کوئی معمولی بات نہیں، دعا کرنے والا فرشتوں کا سردار ہو اور آمین کہنے والے نبیوں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بعد ہم میں سے کوئی شک نہیں کر سکتا کہ جو شخص رمضان میں اپنی بخشش نہ کرا لے اس کے لیے ہلاکت ہے، مگر بد قسمتی سے ہمارا طرز عمل ایسا ہی ہوتا ہے کہ گویا ہم اس بات کے لیے کمر بستہ ہیں کہ تفریح، پارٹی، شاپنگ، مہندیاں، چوڑیاں، سوٹ، اور دیگر خریداری میں سارے رمضان میں حاصل کیے ہوئے برکات و انعامات کو ضائع کر دیں۔ عید سعید کا موقع حقیقی روزہ داروں کی

اجرت کا دن ہوتا ہے مگر یہ بد بختی نہیں تو کیا ہے کہ ہم عین اجرت کی وصولی سے کچھ قبل چاند رات کو ہر قسم کی لالچنی اور غیر اخلاقی سرگرمیوں میں ملوث ہو کر خود کو سارے اجر سے محروم کر دیتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ ہم اسے اپنی بخشش کا سامان بنائیں اپنی ہلاکت کا پیش خیمہ بنا لیتے ہیں۔

آئیے ہم سب مل کر آج یہ عہد کرتے ہیں کہ اس بار ہم اپنی اجرت شاپنگ اور دنیا کی رنگینیوں میں مگن ہو کر ضائع نہیں کریں گے بلکہ اس مہمان رمضان کو شکرو حمد، عباداتِ الہی اور خدا کے حضور اپنے گناہوں سے معافی مانگ کر شایانِ شان طریقے سے الوداع کہیں گے۔

بات ذرا طویل ہو گئی اب میں مزید آپ کا وقت نہیں لوں گا بس اتنا کہنا چاہوں گا کہ عید خوشی کا موقع ہے لیکن یہ خوشی ان روزے داروں کے لیے ہے جنہوں نے اپنا احتساب کر لیا، اپنے گناہوں کی معافی اور تلافی کر لی اور آئندہ کی زندگی خدا کی بندگی میں گزارنے کا عہد کر لیا۔ باقی رہے خدا کے نافرمان، تو ان کی خوشی صابن کے جھاگ کی مانند ہے جس کے بلبلے چند ساعت میں فنا ہو جاتے ہیں۔ اللہ ہم سب کو عید کی سچی خوشیوں سے نوازیں اور اپنا فرمانبردار بنائیں۔ آمین

حافظ محمد شارق

القرآن الحکیم (حصہ دوم)

﴿تعریف، موضوع، شرعی اہمیت اور تفہیم کے اصول و مبادی﴾

حافظ محمد شارق

فہم قرآن کے اصول

عربی زبان

عربی زبان اپنی جامعیت، ایجاز، وسعت اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے دیگر زبانوں سے ممتاز ہے۔ قرآن مجید چونکہ عربی زبان میں ہے لہذا اس کے صحیح فہم کے لیے سب سے پہلی اور بنیادی چیز اس کلام کی زبان سے واقف ہونا ہے۔ قرآن کے وسیع مفہام اور کثیر الجہت تعبیرات کی تفہیم عربی زبان سے واقفیت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ یہ واقفیت محض اتنی نہیں کہ آدمی اس کا مطالعہ کر سکے، بلکہ یہ بھی لازم ہے کہ اس کے زمانہ تحریر کی لغات، محاورے اور اسلوب کلام سے کماحقہ آگاہ ہو۔ اس کے لیے ہمارے پاس سب سے بڑا ماخذ عرب کے دورِ جاہلیت کا شاعری کلام ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہی بات مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمائی:

عليكم بدويونكم، لاتضلوا۔ قالوا: ما ديوننا؟ قال: شعر الجاهلية، فان فيه تفسير كتابكم ومعاني كلامكم¹

تم لوگ اپنے دیوان کی حفاظت کرتے رہو۔ مگر اہی سے بچے رہو گے۔ لوگوں نے پوچھا: ہمارا دیوان کیا ہے؟ فرمایا: اہل جاہلیت کے اشعار۔ اس لیے کہ اُن میں تمہاری کتاب کی تفسیر بھی ہے اور تمہارے کلام کے معانی بھی ہیں۔

ان اشعار کی اہمیت قرآن مجید میں بیان کردہ تلمیحات، محاورہ، اسلوب اور الفاظ سے ظاہر ہے۔ اصطلاحات کے حوالے سے بھی یہ واضح رہنا چاہیے کہ قرآن مجید کی تمام دینی اصطلاحات اہل عرب کے ہاں معروف تھی۔ صوم، صلوٰۃ، حج اور زکوٰۃ جیسے مفہیم سے اہل عرب نہ صرف اچھی طرح آگاہ تھے بلکہ ان کا ایک معقول طبقہ ان عبادات و رسوم کو اپنائے ہوئے بھی تھا۔ چنانچہ ان اصطلاحات کے لیے کلی طور پر لغت پر اعتماد کرنا سراسر گمراہی کا باعث ہو گا۔ دینی اصطلاحات کا لغت میں جو بھی مفہوم ہو، لیکن دین میں ان کا وہی مفہوم قابل تسلیم ہو گا جو امت میں بالکل قرآن کے متن کی طرح حدیث و سنت اور عملی طور پر تواتر سے نقل ہوا ہے۔

یہ سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ قرآن مجید بے شک اس قادر مطلق ہستی کا کلام ہے، جو ہر عیب سے پاک ہے۔ البتہ یہ کلام انسانوں کی زبان میں نازل کیا گیا ہے اور خدا تعالیٰ نے انسانوں سے ابلاغ کے لیے اسی زبان کو ذریعہ بنایا ہے جو انسانی معاشرے میں بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ بسا اوقات ہم اس غلطی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ انسانی زبان میں کہی گئی بات کو سائنسی اور طبعی نقطہ نظر سے جانچنے کی کوشش کرتے ہیں اور نتیجتاً ہمیں قرآن مجید میں تضاد و اغلاط نظر آتی ہیں۔

کتاب اللہ

قرآن مجید کو سمجھنے کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ اسے قرآن مجید کی ہی روشنی میں سمجھا جائے۔ قرآن مجید بعض چیزوں کا ایک مقام پر اجمالی طور پر ذکر کرتا ہے جبکہ اس کی تفصیل آگے موزوں مقام پر خود کر دیتا ہے۔ فہم قرآن سے متعلق القرآن یفسر بعضہ بعضاً کا اصول امت مسلمہ کے مابین متفقہ ہے۔ اللہ کے کلام کو سمجھنے کے لیے بنیادی حیثیت اللہ کے کلام کو ہی حاصل ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ اپنے مقدمہ تفسیر میں ہیں۔

اگر ہم سے پوچھا جائے کہ قرآن فہمی کا سب سے بہتر طریق کیا ہے، تو ہمارا جواب یہ ہو گا کہ اولاً قرآن کو قرآن ہی سے سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

تفسیر کے اس مصدر میں قرات متواترہ بھی ہمارے نزدیک قطعی اہمیت کی حامل ہے جنہیں ہم تفسیر کے اولین مراجع (Source) میں شمار کر سکتے ہیں۔

حدیث و سنت

قرآن فہمی میں خارجی وسائل میں سب سے اہم چیز حدیث و سنت ہے۔ عام الفاظ میں حدیث سے مراد وہ بیان (Report) ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب اقوال و اعمال اور واقعات منسوب ہوں۔ دین کا ماخذ ہونے کی حیثیت سے حدیث اور قرآن مجید میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسے بلا اختلاف قرآن فہمی میں دوسرے مرجع کی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن مجید میں آیات قرآنی کی تبيين کو فرائض رسالت میں سے ایک اہم فریضہ شمار کیا گیا ہے، حدیث و سنت دراصل اسی کا ایک مظہر ہے۔ کسی قرآنی آیت کی کوئی تفسیر اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح متن اور حدیث کے مقبول شرائط کے ساتھ منقول ہو تو وہ حجت اور حرف آخر تسلیم کی جائے گی۔

سیاق و سباق اور شان نزول

قرآن مجید کی بہت سی آیات کسی واقعے یا سوال کے جواب میں نازل ہوئی ہیں۔ ان واقعات اور پس منظر کو اسباب نزول اور شان نزول کہا جاتا ہے۔ شان نزول کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اول وہ جن کی طرف خود آیات میں اشارہ پایا جاتا ہے مثلاً سورۃ التوبہ کی ابتدائی آیات دیکھیں تو وہاں اس کا شان نزول از خود واضح ہو جاتا ہے۔ جبکہ دوسری قسم وہ جنہیں کسی صحابی نے بیان کیا ہے اور احادیث مبارکہ کے ذخائر میں نقل ہوئی ہیں۔ قرآن مجید کے مطالعے کے وقت ہمیں اس کا تاریخی پس منظر اور سیاق و سباق ہمیشہ دیکھنا چاہیے۔ آیات یا سورۃ کے نظم کو دیکھا جائے کہ یہ سورۃ اور آیات کس سیاق و سباق میں کہی گئی ہیں، اس کے براہ راست مخاطبین کون ہیں اور اس کا شان نزول کیا ہے۔ سیاق و سباق سے قطع نظر ہو کر قرآن مجید کا مطالعہ کرنا بہت سے اشکالات اور کج فہمی کا باعث بنتا ہے۔ البتہ یہ واضح رہے کہ شان نزول کے بارے میں صحابہ سے اس طرح جو روایات منقول ہیں ان کی بڑی تعداد ایسی احادیث پر مشتمل ہے جن کی کوئی استنادی حیثیت نہیں ہے۔ ایسے بے شمار واقعات ہیں جو ہمارے ہاں تفاسیر میں اور واعظین اپنے کلام میں آیات سے جوڑ کر ان سے نتائج پیش کرتے ہیں، حالانکہ ان کی نہ ہی کوئی شرعی حیثیت ہے نہ استنادی حیثیت۔

شان نزول کے متعلق وضاحت

کتاب التفسیر کے تحت منقول وہ احادیث جو صحیح اور مستند درجہ رکھتی ہیں، ہمارے لیے ایک عظیم علمی سرمایہ ہے۔ یہ روایات گو کہ اپنی علمی و شرعی اہمیت رکھتی ہیں اور آیت کے مدعا و منشاء کی تفہیم میں کلیدی حیثیت رکھتی ہیں مگر تفسیر و تشریح اور اخذ مسائل میں اسباب نزول سے زیادہ قرآن کی عبارات کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ کنزل الدقائق کی شرح تبیین الحقائق میں ہے:

إِنَّ الْعِبْرَةَ لَعُمُومِ اللَّفْظِ لَا لِيُخْصُوصِ السَّبَبِ

(اخذ مسائل میں) لفظ کی عمومیت کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ خاص سبب کا

کئی روایات بظاہر آیت کا شان نزول اور پس منظر بیان کر رہی ہوتی ہیں لیکن اصلاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس آیت کا انطباق بیان کر رہے ہوتے ہیں اور اسی انطباق کو قاری پس منظر سمجھ لیتا ہے اور قرآن مجید کی اس آیت کو اسی زمانے سے محدود سمجھ لیتا ہے جو کہ بڑی غلطی ہے۔

عقل و دانش

قرآن مجید یقیناً ایک بحر بیکراں ہیں جس کے ہر ایک جملے کے بے پناہ معارف و اسرار ہیں۔ یہ ہر زمانے، ہر نسل کے لیے تازہ کلام کی صفت رکھتا ہے۔ ہمارے ہاں بد قسمتی سے قرآن مجید میں غور و فکر کرنے کو شجر ممنوعہ قرار دے دیا گیا اور اسے تفسیر بالرائے کے مترادف سمجھا جانے لگا ہے۔ احادیث مبارکہ میں تفسیر بالرائے کی جو ممانعت آئی ہے اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے جس تفسیر بالرائے (مذموم) کو گناہ کہا گیا ہے، اس کا منشاء ہرگز یہ نہیں ہے کہ انسان قرآن مجید میں غور و فکر چھوڑ دے۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان ایک رائے قائم کرے، اور پھر آیات قرآنی کے سیاق و سباق، زبان، صحیح احادیث، عقل عام، اخلاقی اصولوں اور دیگر دلائل کو نظر انداز کر کے اس رائے کو قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کرے خواہ اس طرح قرآن کے معانی کو بالکل ہی مختلف معنی پہنانا پڑے۔ یہ چیز بلا شک و شبہ مذموم ہے۔ لیکن بیان کردہ اصولوں کی مدد سے قرآن مجید پر غور و فکر کرنا ممنوع نہیں ہے اور نہ ہی کسی دور میں اس پر غور و تدبر کا دروازہ بند کیا جاسکتا ہے۔

عقل و دانش کو بروئے کار لاتے ہوئے قرآن مجید میں جب کبھی غور و فکر کیا جائے تو اپنے زمانے کے علوم و فنون اور استدلال کی روشنی میں بھی قرآن مجید کی تعلیمات کو سمجھنے کی کوشش کی جانی چاہیے البتہ اسے محض ایک احتمالی رائے کے درجے میں ہی رکھنا بہتر ہے، جو بات قرآن مجید

نے بیان نہیں کی، اسے قطعیت کا درجہ دے کر اس کی روشنی میں قرآن کو سمجھنا کئی شکوک کا باعث بن سکتا ہے۔ نیز اس کوشش میں الفاظ میں معنی، سیاق و سباق اور حدیث و سنت کو نظر انداز کر کے آیات کو من مانی تاویلات کر کے اپنے پسندیدہ معنی دینا بھی صریح غلطی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن مجید پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مزید مطالعے کے لیے

- حسام الدین محمد بن محمد عمر الاخسیکشی۔ متنوع الحسامی۔ طبع الثالثة مكتبة البشري۔ کراتچی (2012)
- علامہ وھبۃ الزحیلی۔ أصول الفقه الإسلامي۔ الطبعة الاولى۔ دار الفكر۔ دمشق (1986)
- کشف الاسرار شرح اصول ہزدوی۔ قدیمی کتب خانہ کراتچی
- شیخ محمد علی الصابونی۔ العبدان فی علوم القرآن۔ مكتبة العصرية۔ بیروت (1970)
- علامہ حافظ عماد الدین ابن کثیر۔ تفسیر القرآن۔ مکتبہ
- مولانا امین احسن اصلاحی۔ تدبر قرآن۔ فاران فاؤنڈیشن لاہور۔
- شاہ ولی اللہ۔ الفوز الکبیر۔ قدیمی کتب خانہ۔ کراچی

فہم القرآن

پروفیسر محمد عقیل (کراچی)

سورة البقرة

سورہ کا نام

یہ قرآن کی دوسری سورہ ہے اور یہ مدنی سورہ ہے۔ اس کے نام البقرہ کا مطلب ہے گائے۔ چونکہ اس میں بنی اسرائیل یعنی یہود کو ایک خاص گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا اس لیے اس سورہ کا نام سورہ البقرہ رکھ دیا گیا یعنی یہ وہ سورہ ہے جس میں گائے کا ذکر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَمْ ۙ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۚ فِیْهِ ۙ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ۙ ۱؎ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۙ ۲؎ وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ وَ بِالْآخِرَةِ هُمْ یُوقِنُوْنَ ۙ ۳؎ اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۙ ۴؎ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۙ ۵؎

ترجمہ

الف، لام، میم۔ یہ وہ کتاب ہے جس (کے کتاب الہی ہونے) میں کوئی شک نہیں (اور) یہ بچنے والوں کو ہدایت دیتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے، نماز قائم کرتے اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتارا گیا آپ پر اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا اور آخرت پر بھی وہ یقین رکھتے ہیں۔ وہی لوگ اپنے رب کے راستہ پر ہیں اور وہی نجات پانے والے ہیں۔

وضاحت

سورہ فاتحہ میں تین گروہوں کو بیان کیا گیا ہے۔ پہلا گروہ انعمت علیہم کا ہے یعنی وہ لوگ جن پر اللہ کی نعمتیں ہوئیں یعنی مراد سابقہ و موجودہ مسلمان ہیں۔ یہ آیات انہی نعمت پانے والے لوگوں کا ابتدائی تعارف ہیں۔

ان آیات میں وہ نتائج ہیں جو تقویٰ اختیار کرنے کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ گویا ایمان بالغیب، نماز و انفاق وغیرہ ہدایت حاصل کرنے کی شرائط نہیں بلکہ یہ تو ہدایت حاصل کر لینے کے بعد کے نتائج ہیں۔ بنیادی شرط تو تقویٰ ہے۔ اس بات کی ایک اور دلیل پانچویں آیت ہے جس میں کہا جا رہا ہے "یہی لوگ ہیں جو اپنے رب کی جانب سے سیدھے راستے پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ گویا ان آیات کا مفہوم یہ ہوا کہ یہ کتاب الہی بچنے والوں کو ہدایت دیتی ہے۔ اس کے بعد ہدایت پانے کے بعد جو صفات مطلوب ہیں وہ ساری صحابہ کی جانب اشارہ کر کے بتادیں کہ ان میں یہ صفات ہوتی ہیں اور یہی ہدایت یافتہ لوگ ہیں۔

اس سورۃ کے اصل مخاطب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے یہود ہیں۔ ان آیات میں یہود کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ اس کتاب کے من جانب اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں، اور اگر تم ہدایت حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس کی بنیادی شرط ہے کہ برائی سے بچنے کی خواہش پیدا کرو۔ اور دیکھو جو لوگ متقی بن جاتے ہیں تو پھر وہ ایسے بن جاتے ہیں جیسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے ہیں (یعنی اس وقت کے صحابہ کی جانب اشارہ ہے)۔ یہ لوگ تو غیب پر بھی ایمان لاتے، پھر نماز قائم کرتے، انفاق کرتے ہیں (یہود کے ہاں تینوں باتوں کا فقدان تھا)۔ اور دیکھو یہ لوگ تمہاری طرح یہ نہیں کہتے کہ ہم صرف اپنی کتابوں پر ایمان لائیں گے اور باقیوں پر نہیں۔ بلکہ ان کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ یہ جو کچھ ان پر نازل ہوا اور جو کچھ اس سے قبل (یعنی تم یہود کے پیغمبروں پر) نازل ہوا سب پر بلا تخصیص ایمان لاتے ہیں اور تعصب کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ اور یہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں (یہود آخرت کو بھلا بیٹھے تھے)۔ تو بس دیکھ لو یہی لوگ ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں اور یہی لوگ اصل میں فلاح پانے والے ہیں۔ یعنی تم یہود اب نہ ہدایت پر ہونہ ہی تمہارے لئے فلاح ہے۔ اگر تم ہدایت یافتہ ہونا چاہتے ہو تو ان کی صفات اپناؤ۔

سوال یہ ہے کہ یہ آیات اگر یہود سے مخاطب تھیں تو آج ہم سے ان کا کیا تعلق ہے؟ جواب بالکل واضح ہے۔ آج ہمارا حال بھی یہود سے بہت زیادہ مختلف نہیں۔ ہم تقویٰ اختیار نہیں کرتے، ہم میں سے ایک گروہ اس کتاب کے کتاب الہی ہونے میں شک کرتا ہے، ہماری اکثریت

ایمان بالغیب کو بس ایک لایعنی عقیدہ سمجھتی، نماز نہیں پڑھتی، انفاق سے گریز کرتی اور آخرت کو عملی زندگی سے غیر متعلق سمجھتی ہے۔ چنانچہ یہ آیات ہمیں بھی مخاطب کر رہی ہیں اسی طرح جیسے یہود کو مخاطب کیا۔ ہذا ما عندی والعلم عند اللہ

آخری کلمہ:

اللہ سے دعا ہے کہ اللہ ہمیں بھی ان متقیوں کی صفات کا اسی طرح حامل بنادے جیسا اسے مطلوب ہے۔ آمین

قرآن مجید صرف تلاوت کی کتاب نہیں بلکہ یہ آپ کی شخصیت کی تعمیر کی کتاب ہے۔ یہ گزشتہ زمانوں کے قصوں کا مجموعہ نہیں بلکہ آپ کے لیے عزم و استقلال اور ایمان و اخلاق کے اسباق کا ذخیرہ ہے۔

پیغامِ حدیث حلاوتِ ایمان

حسانت محمود (میلان، اٹلی)

حلاوتِ ایمان

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ، وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ، أَنْ يَكُونَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ، أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا
يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ، وَأَنْ يَكْرَهُ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقَذَّفَ فِي النَّارِ
”تین خصلتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں یہ باتیں پائی جائیں اسے ایمان کی حلاوت محسوس ہونے لگے گی۔

1. اللہ اور اس کا رسول اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب بن جائیں۔
2. وہ کسی انسان سے محض اللہ کی رضا کے لیے محبت کرے۔
3. وہ کفر میں واپس لوٹنے کو ایسا ناگوار سمجھے جیسا کہ آگ میں ڈالے جانے کو ناگوار اور برا سمجھتا ہے۔

(متفق علیہ)

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان پاک اُن احادیث میں سے ایک ہے جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیماتِ دین کو انتہائی مختصر اور جامع انداز میں بیان فرمایا ہے۔ یہ حدیث دراصل ایک مومن کی اُس کیفیتِ قلب کی طرف اشارہ کرتی ہے جس میں اس کا نفس اپنے ایمان سے متعلق مطمئن ہو۔ علماء نے حلاوت کے معنی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس سے مراد ایک ایسی کیفیت کا حاصل ہو جانا ہے کہ جس میں اللہ کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے لذت محسوس ہو، اپنے نفس کو اللہ کی پسند و ناپسند کے تابع کر کے خوشی اور اطمینان محسوس ہو

- ایمان اس کے لیے ایک ایسی قیمتی متاع کی حیثیت رکھتا ہو کہ اس سے محرومی اسے آگ میں جلنے سے زیادہ اذیت ناک محسوس ہو۔ لیکن ایمان کی یہ کیفیت اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک بندے میں یہ تین باتیں موجود نہ ہوں:

اللہ اور رسول ﷺ کی محبت

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ایمان کی بنیادی شرط ہے۔ لیکن یہ محبت صرف زبان سے نہیں بلکہ یہ محبت حقیقی اور سارے جہان میں سب سے بڑھ کر ہونی چاہیے۔ اگر ہم میں سے کسی سے بھی پوچھا جائے کہ کیا وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے؟ تو یقیناً ہمارا جواب اثبات میں ہوگا، لیکن کیا ہم نے کبھی یہ سوچا ہے کہ ہماری یہ محبت حقیقی ہے یا محض زبان سے کیے جانے والا دعویٰ ہے؟ قرآن مجید میں اللہ فرماتے ہیں:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم)، آپ فرمادیجیے کہ اگر تم واقعی اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ (سورہ آل عمران - آیت 31)

ایک مرتبہ اپنے ذہن و قلب کو جھنجھوڑیے۔ اپنے ایمان کی لالینی خوش گمانیاں ایک طرف رکھ کر قرآن مجید میں بیان کردہ یہ کسوٹی (Criteria) دیکھ کر فیصلہ کر لیجیے کہ آپ حب الہی کے اپنے دعوے میں کس حد تک سچے ہیں۔ اگر ہماری زندگی اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم ہے تو درحقیقت ہم اپنے دعویٰ محبت کو اپنے عمل سے جھٹلا رہے ہیں۔ اگر ہماری عملی زندگی میں محبت رسول ﷺ کا کوئی سراغ نہیں ملتا تو یقین کر لیجیے کہ ہم محض اپنے آپ کو دھوکا دینے کے سوا کچھ نہیں کر رہے۔

انسان سے اللہ کی رضا کے لیے محبت

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے بعد جس عمل کو لذتِ ایمانی کی نشانی قرار دیا گیا ہے وہ دوسرے انسان سے اللہ کی رضا کے لیے محبت ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی خالق سے محبت میں تو کاملیت کا دعویٰ کرے مگر اس کی مخلوق سے محبت نہ رکھے۔ یہاں محبت کو اللہ کی رضا کے ساتھ خاص کیا گیا ہے، یعنی میرا دوسرے سے محبت کرنا کسی ذاتی مقصد، کسی بدلے کی امید کے بغیر صرف اللہ کا حکم سمجھتے ہوئے اس کی خوشنودی کے حصول کے لیے ہو۔ یہ اصول انسانی تعلقات میں ایک بہت اہم کردار ادا کرنے والا ہے، اکثر رشتے اور تعلقات اس وجہ

آپ رشتوں میں کسی سے محبت کے دعویٰ دار ہیں، اور یہ محبت صرف اللہ کے لیے ہے تو آپ کے لیے لازم ہے کہ آپ اس کی غلطیوں کو درگزر کریں، اس کی ہدایت کی فکر کریں، اس کے عیوب کی پردہ داری کریں اور حتیٰ الوسع اس سے حسن ظن رکھیں۔

سے ٹوٹ جاتے ہیں کہ ہم دوسروں سے امیدیں وابستہ کر بیٹھتے ہیں اور ان امیدوں کے پورا کرنے کو دوسرے کا فرض سمجھتے ہیں، اور اگر خدا نخواستہ یہ نہ ہو تو ہم سرے سے تعلق ہی ختم کر دیتے ہیں جبکہ اللہ کا حکم ہے کہ تم میرے بندوں سے میری رضا کے لیے محبت کرو، اور امیدیں مجھ سے رکھو۔ چنانچہ آپ رشتوں میں کسی سے محبت کے دعویٰ دار ہیں، اور یہ محبت صرف اللہ کے لیے ہے تو آپ کے لیے لازم ہے کہ آپ اس کی غلطیوں کو درگزر کریں، اس کی ہدایت کی فکر کریں، اس کے عیوب کی پردہ داری کریں اور حتیٰ الوسع اس سے حسن ظن رکھیں۔

کفر سے بچاؤ

تیسری خصلت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ کفر میں لوٹ جانے کو اتنا برا تصور کرے جتنا برا آگ میں ڈال دیے جانے کو مانتا ہے۔ یعنی ایک مسلمان کو حقائق ایمانی پر اس قدر ذہنی اور قلبی اطمینان ہو کہ وہ اپنی اس حالت کو چھوڑ دینا آگ میں چلے جانے کے برابر سمجھے۔ یہ کیفیت تبھی حاصل ہو سکتی ہے جب انسان کا ایمان موروٹی نہیں شعوری ہو، اس کے لیے اس کائنات اور خود اپنی حقیقت کی اللہ پر ایمان کے سوا کوئی توجیح ممکن نہ ہو۔ یعنی وہ ایمان میں بھی صرف زبانی دعووں تک محدود نہ ہو بلکہ اپنے ایمان پر پورا ایمان رکھتا ہو، اس کے دلائل اس کی نظر میں ہوں، اس کے نتائج کا حصول اس کا مطلوب ہو اور اپنے عمل میں اس ایمان کی تاثیر اس کو درجہ احسان تک لے جائے۔

ہم سب کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ اللہ کے رسول کے پیش کردہ ان موتیوں کو اپنی زندگی میں چمکنے والی روشنی بنالیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس حدیث پر عمل کرنے اور اسے دوسروں تک پہنچانے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔ اور ہم سب کو ایمان کی وہ لذت عطا کرے کہ ہمارا محبوب صرف وہ اور اس کے محبوب لوگ ہوں، اور ہم خود اس کے پیارے بندوں میں شامل ہو جائیں۔ آمین۔

<http://www.islamic-studies.info>

اعتکاف کی فضیلت، مسائل اور معمولات

حافظ محمد شارق

رمضان المبارک ایک پر عظمت اور روح کو جلا بخش دینے والا مہینہ ہے، جس کی عظمت سے ہم سبھی واقف ہیں۔ اس ماہ مبارک کا ایک ایک دن انتہائی مبارک اور تقدس کا حامل ہے۔ البتہ اس ماہ مبارک کے آخری عشرے کی فضیلت اور اجر بہت زیادہ ہے اور اس کی قدر و منزلت بے حد و حساب ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس عشرہ میں عام دنوں سے زیادہ عبادت کرتے۔ آپ ﷺ اس عشرہ کی راتوں میں خود جاگتے، اپنے اہل و عیال کو جگاتے اور عبادت کے لیے کمر بستہ ہو جاتے۔

اس عشرے میں ایک رات ایسی بھی ہے جسے لیلۃ القدر کہا جاتا ہے۔ یہ وہ رات ہے جو ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے اور اس کی فضیلت میں قرآن مجید کی ایک سورت نازل ہوئی ہے۔ اسی رات کی فضیلت و برکات حاصل کرنے کے لیے آخری عشرے میں خاص طور پر اعتکاف کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اعتکاف رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ ہر رمضان کے عشرہ آخر (یعنی آخری دس روز) کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ اسی سنت کریمہ کو زندہ رکھتے ہوئے آج بھی مسلمان اپنے گھروں اور ساری دنیا والوں کو چھوڑ کر اللہ کے حضور آتے ہیں جس کا مقصد دنیاوی آسائشوں و لذتوں کو چھوڑ کر اپنے پروردگار کی رضا طلب کرنا ہوتا ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم اعتکاف کے شرعی مسائل پر گفتگو کریں ضروری ہے کہ ہم پہلے اس سے مختصر شناسائی حاصل کر لیں اور اس عمل کی فضیلت بھی جان لیں۔

تعریف و فضیلت

اعتکاف عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ٹھہر جانے اور خود کو روک لینے کے ہیں۔ شریعت اسلامی کی اصطلاح میں اعتکاف رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں عبادت کی غرض سے مسجد میں ٹھہرے رہنے کو کہتے ہیں۔ علامہ غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں کہ اسی طرح جو شخص مسجد میں اعتکاف کرتا ہے گویا کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کے گھر کی چوکھٹ تھام کر بیٹھ گیا ہے اور کہتا ہے کہ جب تک تو مجھے نہیں دے گا میں تیرے دروازے سے نہیں اٹھوں گا۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الْمُعْتَكِفِ هُوَ يَعْكُفُ الذُّنُوبَ وَيُجْزَى لَهُ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الْكَرِيمِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أُمَيَّةَ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ مُوسَى الْبُخَارِيُّ عَنْ عُبَيْدَةَ الْعَدَوِيِّ عَنْ فَرْقَدٍ السَّبْحِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الْمُعْتَكِفِ هُوَ يَعْكُفُ الذُّنُوبَ وَيُجْزَى لَهُ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معتکف کے بارے میں فرمایا: وہ گناہوں سے باز رہتا ہے اور نیکیوں سے اُسے اس قدر ثواب ملتا ہے، جیسے اُس نے تمام نیکیاں کیں۔ (سنن ابن ماجہ: جلد اول: حدیث نمبر 1782 ابواب ماجاء فی الصیام)

حدیث بالا کی روشنی سے یہ واضح ہوتا ہے اعتکاف کی فضیلت اور اس کی اہمیت کا مقام کتنا بلند و بالا ہے اور اللہ رب العزت کس قدر اعتکاف کرنے والوں پر اپنا فضل فرماتا ہے۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ اعتکاف صرف مرد ہی نہیں کر سکتے بلکہ ہر عبادت کی طرح یہاں بھی اسلام عورتوں کو برابر موقع فراہم کرتا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو اعتکاف کر سکتیں ہیں جیسا کہ امہات المؤمنین سے ثابت ہے کہ وہ اعتکاف کیا کرتیں تھیں۔ (صحیح بخاری، جلد ۱، حدیث: 1948)۔ اس لیے ہم سب مسلمان بھائیوں اور بہنوں کو چاہیے کہ اگر کوئی معقول اور خاص مجبوری نہ ہو تو ماہ رمضان کے آخری عشرہ کے اعتکاف کی سعادت ضرور حاصل کریں۔ اگر ہر سال نہ ہو سکے تو کم از کم زندگی میں ایک ہی بار صحیح مگر ضرور کرنا چاہیے۔

مسائل اعتکاف

مسجد میں اللہ تعالیٰ کے لیے نیت کے ساتھ ٹھہرنا اعتکاف ہے اور اس کے لیے مسلمان، عاقل اور جنابت و حیض و نفاس سے پاک ہونا شرط ہے بلوغ شرط نہیں، بلکہ نابالغ جو تمیز رکھتا ہے اگر بہ نیت اعتکاف مسجد میں ٹھہرے تو یہ اعتکاف صحیح ہے۔ احناف کے نزدیک روزہ بھی اعتکاف کی شرط ہے جبکہ دیگر علماء کے نزدیک اعتکاف ایک مستقل عبادت ہے اس لیے روزہ اس کی شرط نہیں۔ اسی طرح اعتکاف کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ آخری عشرہ میں ہی ہو جس طرح اس کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ پورے دس یا نو دن ہو۔ یہ نیت پر منحصر ہے البتہ مستحسن یہی ہے کہ لیلۃ القدر پانے کے لیے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا جائے۔

مسجد کی حدود

اعتکاف کے مسائل میں ایک بنیادی مسئلہ جو معلوم ہونا انتہائی ضروری ہے وہ مسجد کی حدود ہے۔ عموماً معتکفین کو یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ مسجد اور اس کی حدود کیا ہیں اور اس لاعلمی کی وجہ سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے مسجد کے منتظم سے مسجد کے احاطہ کی ٹھیک ٹھیک حدود معلوم کر لیں اور خوب اچھی طرح حدود مسجد کا مطلب سمجھ لیں۔ عام بول چال میں تو مسجد کے پورے احاطے کو مسجد ہی کہتے ہیں لیکن شرعی اعتبار سے پورا احاطہ مسجد ہونا ضروری نہیں بلکہ شرعاً صرف وہ حصہ مسجد ہوتا ہے جو نماز کے لیے خاص ہو۔ چنانچہ باتھ روم، نماز جنازہ پڑھنے کی جگہ، امام و موزن اور خادم صاحبان کے حجرے پر شرعاً مسجد کے احکام جاری نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ خارج مسجد ہوتے ہیں۔ وضو خانہ بھی مسجد کا حصہ نہیں ہوتا، اس لیے معتکف کے لیے ضروری ہے کہ بغیر شرعی ضرورت کے وہاں نہ جائے۔

عورت کے لیے اعتکاف کی حدود

عورت اپنے گھر میں اعتکاف کرتی ہیں۔ اس لیے کمرے کا وہ حصہ حدود میں شامل ہو گا جس میں وہ اعتکاف کی نیت سے بیٹھی ہے۔ بعض علماء کے نزدیک خواتین کا اعتکاف بھی مسجد میں ہی صحیح ہو گا۔ واللہ اعلم

اعتکاف کے لیے دیگر قابل لحاظ امور

- دوران اعتکاف مسجد کے اندر ضرور تادیبوی بات کرنے کی اجازت ہے، لیکن حتی الامکان دھیمی آواز کے ساتھ اور احترام مسجد کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہی بات کرنی چاہئے۔
- اکثر نوجوان اعتکاف میں ساتھ ہوتے ہیں اور اس موقع کا غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے ہنسی مذاق اور دیگر دنیاوی باتوں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ یہ امور آداب مسجد اور اعتکاف کی روح کے قطعی خلاف اور مکروہ تحریمی ہے۔
- بعض لوگ اعتکاف کی حالت میں بالکل ہی کلام نہیں کرتے، بلکہ سرمنہ لپیٹ لیتے ہیں، اور اس چپ سادھ لینے کو ہی عبادت سمجھتے ہیں، یہ غلط ہے، اچھی باتیں کرنے کی اجازت ہے۔

- اعتکاف کی اصل رُوح یہ ہے کہ اتنے دنوں کو خاص اللہ کے حضور میں گزاریں اور حتی الوسع تمام دُنیوی مشاغل بند کر دیئے جائیں۔ تاہم جن کاموں کے بغیر چارہ نہ ہو ان کا کرنا جائز ہے۔
- مسجد میں آلات وغیرہ بجانا حرام ہے، اس لیے دورانِ اعتکاف موبائل کا استعمال نہ کریں۔
- مسجد میں سونے کے لیے کوئی موٹی چادر استعمال کی جائے تاکہ کسی بھی صورت میں مسجد کے ناپاک ہونے کا خدشہ نہ رہے۔
- اگر اپنے عزیز، محرم یا زوجہ کا انتقال ہو جائے تو نماز جنازہ کے لیے اعتکاف توڑ سکتے ہیں۔ (مگر اس دن کی قضا کرنا ضروری ہوگا)۔
- اگر بیوی خاوند سے ملنے آجائے تو اسے واپس چھوڑنے کے لیے اعتکاف سے نکلا جاسکتا ہے مگر یہاں بھی یہ بات دھیان میں رہے کہ غیر ضروری دیر لگانے سے پرہیز کیا جائے۔
- ناپاکی کے علاوہ بھی دورانِ اعتکاف غسل کرنے کی ممانعت نہیں ہے۔ مثلاً گرمی کی وجہ سے بہت پسینہ ہو تو بہتر یہی ہے کہ غسل کر لیا جائے تاکہ صفائی ممکن ہو سکے اور دوسروں کے لیے بھی تکلیف کا سبب نہ بنے۔ البتہ عادت کے طور پر روزانہ صبح و شام غسل کرنا، اعتکاف کی روح و مقاصد کے خلاف ہے۔
- یہ غلط فہمی ہے کہ معتکف کے لیے صابن سے منہ دھونا یا ٹوتھ پیسٹ استعمال کرنا منع ہے۔ اعتکاف میں ان دونوں اشیاء کا استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ روزے کی حالت میں ٹوتھ پیسٹ کے استعمال میں احتیاط کرنا بہتر ہے، کیونکہ ٹوتھ پیسٹ کا لعاب حلق سے نیچے چلا جائے تو روزہ خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔
- عورت کو بھی چاہیے کہ بلا ضرورت اعتکاف والی جگہ سے نہ اٹھے۔ وضو یا غسل کی صورت میں کرتے ہی واپس آجائے۔
- ایسی عورت جو اپنے گھر میں اکیلی ذمہ داری اٹھانے والی ہو علماء کے نزدیک اس کے لیے رعایت ہے کہ وہ گھر کا کام کاج (صفائی، کھانا پکانا وغیرہ) کر کے دوبارہ اعتکاف کی جگہ پہنچ جائے۔ تاہم اس بات کا خیال رکھا جائے کہ غیر ضروری امور سے پرہیز کرے۔ اسی طرح ضروری کاموں کو بہت لمبانا نہ کر دے (جیسے ضروری صفائی کرے یہ نہیں کہ کونوں کھدروں اور ہفتوں کی صفائی اعتکاف میں کرنا شروع کر دے، بلکہ اسے چاہیے کہ اعتکاف بیٹھنے سے پہلے صفائیاں وغیرہ کر کے بیٹھے تاکہ بعد میں زیادہ وقت اللہ کی یاد میں

گزار سکے۔

- عورت کو حیض و نفاس میں اعتکاف میں نہیں بیٹھنا چاہیے۔
 - اگر کوئی عورت پاک دنوں میں اعتکاف بیٹھی اور استخاضہ ہو گئی تو وہ اعتکاف توڑنے کی بجائے انتظام کر کے اعتکاف جاری رکھے۔
- جیسا کہ حضرت عائشہ سے روایت ہے
- "رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ آپ کی ایک بیوی نے استخاضہ کی حالت میں اعتکاف کیا اور وہ سرخی اور زردی دیکھتی تھیں اکثر ہم لوگ ان کے نیچے ایک طشت رکھ دیتے تھے اور وہ نماز پڑھتی تھیں"۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر، 1958)
- خاوند یا کسی محرم رشتے کے فوت ہو جانے کی صورت میں عورت اعتکاف سے اٹھ سکتی ہے۔ عورت چونکہ گھر میں اعتکاف کرتی ہے اس لیے اسے فضول گوئی (یعنی اللہ کی بات کے سوا کسی اور بات) کرنے سے زیادہ پرہیز کرنا چاہیے۔

اعتکاف میں کیا مصروفیات اختیار کی جائیں؟

- اعتکاف میں انسان دن بھر مکمل طور پر فارغ ہوتا ہے، اس لیے اس موقع کا بھرپور فائدہ اٹھا کر اسے اپنی ہدایت اور بہتری کا وسیلہ بنانا چاہیے۔ اس سلسلے مندرجہ ذیل اعمال پر خصوصی توجہ دینا لازم ہے۔
- قرآن مجید کی تلاوت میں خاص طور پر زیادہ وقت لگائیے۔ جو کچھ پڑھیں اسے سمجھ کر پڑھیں۔
 - نوافل کا اہتمام زیادہ کریں۔ اس حوالے سے پچھلے شمارے میں جو ”رمضان کیسے گزاریں؟“ میں نماز کے تحت جو ہدایات دی گئی ہیں ان پر عمل کرنے کے لیے رمضان بہترین موقع ہے۔
 - اگر آپ کو نماز کا ترجمہ یاد نہیں ہے تو کسی مستند کتاب سے ترجمہ یاد کیجیے۔
 - کچھ دیر کوئی دینی و اصلاحی کتاب / رسالے کا مطالعہ کیجیے۔
 - اعتکاف میں گروپ ایٹھکس کا بھرپور خیال رکھیے۔ آپ کے زبان و فعل سے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

- جو مسنون دعائیں آپ کو یاد نہیں ہیں انھیں ترجمے کے ساتھ یاد کریں۔
- مردوں کا اعتکاف چونکہ مسجد میں ہوتا ہے اس لیے وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر امام مسجد یا دوسرے لوگوں سے فہم دین حاصل کریں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کی کوتاہیوں کو معاف فرما کر اس رمضان المبارک کو ہمارے لیے نجات کا ذریعہ بنادے۔ آمین



وحی اور انسان کی سرگذشت (قسط نمبر ۲)

حافظ محمد شارق (کراچی)

انسان کے لیے یہ دنیا صرف عارضی جائے رہائش نہیں بلکہ مکتب امتحان بھی ہے۔ اسے دنیا میں اختیار و ارادے کی قوت بھی عطا کی گئی ہے اور ساتھ ہی مذہب ابلیس اور دین فطرت کے درمیان خط امتیاز کھینچ کر انسان کو حق و باطل کے راستے سے آگاہ کر دیا۔ ایک طرف ابلیس زور و شور سے جہنم کی طرف بلاتا ہے اور رنگ و رونق سے مزین راہِ باطل پر گامزن ہونے کی تلقین کرتا ہے تو دوسری طرف علم و ہدایت سے روشن اور پرسکون راہِ حق اسے اپنی طرف دعوت دیتی ہے۔ دونوں پر انسان کو قدرت عطا کی گئی ہے کہ جس پر چاہے چل سکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے شیطان سے بچنے کا حکم فرمایا اور قوتِ ارادی عطا کر کے نوعِ انسانی کو یہ سمجھا دیا کہ اطاعت تو حقیقت میں وہی ہے جو سرکشی کا اختیار ہونے کے باوجود محبت سے کی جائے۔ یہ انسان کے ہاتھ میں ہے کہ وہ اللہ کی اس ہدایت کے معاملے میں شکر گزار بن کر اس کی پیروی کرے اور چاہے تو اس سے انکار کر لے 'دونوں نتائج بتلا دیے گئے۔

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا

ہم نے بلاشبہ راہِ بتا دی، خواہ انسان شکر گزار بنے یا ناشکر۔ (سورۃ الدھر - آیت 3)

حق کو باطل کی اسی پکار پر بنی نوعِ انسان دو گروہوں میں تقسیم رہے ہیں۔ یہ تقسیم کفر و ایمان کے اصول کی بنیاد پر ہے۔ جب لوگوں نے اللہ پر ایمان لاتے ہوئے رسول اور اس کی ہدایت کی اتباع کی وہ "حزب اللہ" اور جو لوگ خدائے حقیقی کو فراموش کر کے مخلوق پرستی میں لگ گئے اور ابلیس کی راہ پر چلے وہ اسی کی جماعت یعنی "حزب الشیطان" میں شمار ہوئے۔ ان دونوں گروہوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اس طرح کلام فرمایا:

أُولَٰئِكَ لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا

ان کے لیے سدا بہار جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، وہاں وہ سونے کے کنگنوں سے آراستہ کیے جائیں گے، باریک ریشم اور اطلس و دیبا کے سبز کپڑے پہنیں گے، اور اونچی مسندوں پر تکیے لگا کر بیٹھیں گے۔ بہترین اجر اور اعلیٰ درجے کی جائے قیام! (سورۃ الکہف۔ آیت 31)

اللہ نے ان سے عہد فرمایا اور انہیں بشارت دی کہ تمہارا ایمان اور تمہاری محنت رائیگاں نہیں جائے گی، بلکہ اس کا تمہیں اجر عظیم دیا جائے گا، تمہیں جنت کی ابدی خوشیاں انعام میں دی جائیں گی اور وہاں تم حیات جاودانی کا مزہ لوٹو گے۔ اور اللہ کے دشمن “حزب الشیطن” کو خبردار کیا گیا کہ:

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

اور جو اس کو قبول کرنے سے انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے، وہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ (سورۃ البقرہ۔ آیت 39)

پروردگار نے انہیں خبردار کیا کہ اگر تم نے قوانین الہیہ کے تابع زندگی بسر نہ کی اور ہماری ہدایت سے منہ موڑا تو تم تاریکیوں میں بھٹک کر اپنے لیے بجز نقصان و رسوائی اور ہلاکت و بربادی کے کچھ حاصل نہیں کر پاؤ گے، اور راہِ راست سے ہٹ کر اس راہ پہ لگ جاؤ گے جو تمہیں جہنم کے آتش کدے میں لے جائے گی۔

اس طرح انسانوں کی ہدایت کے لیے انبیاء تسلسل سے آتے رہے اور دنیا برسوں تک وحی و رسالت کے گل سے مہکتی رہی۔ حق و باطل کی کشمکش جاری رہی، اور ہر بار انسانیت پر یہی انشراح ہوا کہ فلاح و سعادت خدا پرستی میں پنہاں ہے اور پیغمبروں کا انکار و تکذیب درحقیقت اپنی نجات سے پیٹھ کرنا ہے۔ حزب اللہ اور حزب الشیطن مد مقابل بھی ہوئے اور دنیا کی کتاب تقدیر پر قوم نوح، قوم عاد، بنی اسرائیل اور ان جیسی دیگر قوموں کی تاریخ رقم ہوئی۔ صدیوں تک یہ معاملہ چلتا رہا اور انسان نے اس زمانے میں قدم رکھا جب تمدن کے اعتبار سے دنیا عہد طفولیت سے نکل کر اپنی شعوری عمر کو پہنچ گئی تھی۔ انسان عروج و ارتقاء کی منازل طے کر رہا تھا لیکن علوم و معارف کی یہ روشنی جس قدر پھیلتی

گئی اسی قدر انسان آسمانی ہدایت کا مزید محتاج ہوتا گیا۔ کیونکہ تہذیب و تمدن کا پودا جس قدر نشوونما پاتا ہے اسی قدر اس میں کانٹے بھی ہوتے ہیں۔ یہ کانٹے درحقیقت ہمارے تمدن کے وہ مسائل ہیں جو نسل انسانی کی عمر سے لے کر عصر حاضر تک انسانی ذہن کا محور رہے ہیں۔ یعنی باہمی روابط سے پیدا ہونے والی تمدنی زندگی میں جن معاملات سے سابقہ پڑتا ہے 'مثلاً معیشت و معاشرت، سیاست و روحانیت وغیرہ' اس کے منصفانہ قوانین کیا ہوں؟ خیر و شر کی بنیاد پر انصاف کے اصول کیسے متعین کیے جائیں؟ جرم اور گناہ کیا ہے؟ مرد و زن کے حقوق کس طرح متعین کیے جائیں؟ انسانیت کے وہ کیا مفادات ہیں جن کے تحفظ کے لیے ایک معیاری قانون مرتب کیا جائے؟ تہذیب و تمدن کے میدان میں مفادات کے میزان پر ہر معاملے کو تولنا اور عدل و اعتدال قائم رکھنا آسان نہیں ہے۔ بلکہ دنیا میں انسان کے لیے یہ ایک ایسا پل صراط ہے جس میں ایک طرف افراط اور دوسری طرف تفریط ہے۔ اس راہ میں انسانی فکر کو ہمیشہ ہی سے افراط و تفریط میں گرنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ کیونکہ عقل انسانی کے لیے ان مسائل کا ادراک کرنا ممکن نہیں۔

زمانہ کڑی دھوپ میں سڑک پر رکھی برف کی مانند گزر رہا تھا۔ حق و باطل کی مختلف معرکہ آرائیوں میں برضائے اللہ باطل سارے عالم پر غالب آگیا، اللہ پرستی کی جگہ مخلوق پرستی نے لے لی، اس وقت انسانی قدروں کا چراغ سماجی برائیوں کے طوفان سے لڑتے لڑتے بجھنے کی حالت میں تھا۔ بنی آدم کے جسد خاکی میں انسانیت پست ترین سطح پر جا کر غرق ہو چکی تھی۔ انسان کے ہاتھ میں اللہ کی طرف سے نازل کردہ سابقہ ہدایت نامہ موجود تھا لیکن اس میں نفس پرستوں نے تحریفات کر دیں، اور چونکہ وہ محدود زمان و مکان کے لحاظ سے تھیں، لہذا اب انسان کے لیے وہ قابل قبول نسخہ نہیں تھا۔ انسانیت فکری اعتبار سے تاریکی کے جنگل میں بھٹک رہی تھی، نبوت و رسالت کا یہ چراغ بجھا ہوا نظر آرہا تھا، ایک طویل عرصے سے چشم آفتاب پیغمبرانِ خدا کی زیارت سے محروم تھی۔ زمین کا وسیع و عریض میدان آسمانی ہدایت کے بغیر بخر ہو چکا تھا، روح انسانیت کی تمنا تھی کہ اب رب تعالیٰ کوئی ہدایت نامہ بھیجے اور یہ دنیا پھر سے وحی الہی کی رحمت سے سرسبز و شاداب ہو جائے۔

اور وہ ہی ہے جو بارش برساتا ہے اُن کے مایوس ہو جانے کے بعد اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے، اور وہ کار ساز بڑی تعریفوں کے لائق ہے۔ (سورۃ

الشوریٰ۔ آیت ۲۸) (جاری ہے۔۔۔)

تخریب میں تعمیر

سید اسرار احمد (کراچی)

انیسویں صدی کے اوائل میں ”کائنات کی تخلیق“ کے متعلق سائنسی اور علمی حلقوں میں یہ تصور بہت مقبول اور عام تھا کہ کائنات لامتناہی وقت سے وجود رکھتی ہے۔ جس کی کوئی ابتداء نہیں۔ لامتناہی اور ہمیشہ سے موجود کائنات کا یہ تصور یورپ کے مادہ پرستانہ فلسفیوں کے خیالات سے ہم آہنگ تھا، چرچ اور مذہب کی شکست و ریخت کے بعد مغربی معاشرے میں فلسفیانہ خلاء کو پُر کرنے کے لیے مادہ پرستانہ خیالات و توجیہات کا سہارا لیا گیا جو درحقیقت قدیم یونان سے اخذ کیا گیا تھا۔ اس کے مطابق مادہ ہی وہ واحد شے ہے جو کائنات میں وجود رکھتی ہے اور اس کا وجود لامتناہی وقت (ہمیشہ) سے ہے۔ اسی اصول کی بنیاد پر مادہ پرستی کا یہ دعویٰ بھی رہا کہ کائنات ہمیشہ سے ہے اور اسے تخلیق نہیں کیا گیا۔ اپنے تمام تر ڈیزائن اور نظم و ضبط کے ساتھ یہ کائنات از خود وجود میں آگئی اور اس کا کوئی خالق نہیں۔ اپنے مذکورہ دعوے کے ساتھ مادہ پرست یہ بھی اخذ کرتے رہے کہ کائنات کی کوئی غرض و غایت اور کوئی مقصد نہیں ہے۔ وہ تمام توازن، نظم و ضبط اور ہم آہنگی جن کا مشاہدہ ہمیں ہر وقت اور ہر طرف سے ہوتا رہتا ہے محض اندھے اتفاقات کی پیداوار ہیں۔

تاہم بیسویں صدی کے سائنسی انکشافات نے مادہ پرستانہ خیالات اور تصورات کو یکسر تبدیل کر دیا۔ جدید فلکیات کی تاریخ میں 1920 کا عشرہ بہت اہم تھا۔ 1922 میں روسی طبیعیات دان الیگزینڈر فرائیڈمین نے آئن اسٹائن کے نظریہ اضافیت کی روشنی میں حساب لگا کر بتایا کہ کائنات کی ساخت ساکن یعنی غیر متغیر نہیں ہے اور اس کا ایک نقطہ آغاز تھا اور یہ ایک بڑے دھماکے کے نتیجے میں اسی طرح پھیل رہی ہے جیسے کسی نے اسے پھیلنے پر مجبور کیا ہو۔ 1929 میں امریکی سائنسدان ایڈون ہبل نے مشاہداتی شہادت کے ساتھ فرائیڈمین کی تحقیقات کی تصدیق کی۔

بعد میں ہونے والی پے درپے تحقیقات نے ثابت کیا کہ ایک وقت ایسا بھی تھا جب ساری کائنات اپنی زبردست کشش ثقل کے باعث ایک نقطے پر جمع تھی جس کا حجم صفر تھا، ساری کائنات اسی صفر حجم اور لامتناہی کثافت والی کیت کے پھٹ پڑنے سے وجود میں آئی، آج اسی عمل کو بگ بینگ (Big Bang) کے نام سے جانا جاتا ہے جس کی تصدیق بار بار کے مشاہدات سے ہو چکی ہے اور سائنس دانوں کے نزدیک یہ نظریہ تخلیق کائنات کے عمل کی انتہائی معقول توجیہ ہے۔

بگ بینگ کے نظریے نے جہاں لامتناہی اور لافانی کائنات کے تصور کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا وہیں لادین اور ملحد فلاسفہ کو بھی نہایت اہم سوالات سے دوچار کر دیا کہ بگ بینگ سے پہلے کیا تھا؟ وہ کونسی قوت تھی جو ایک زبردست دھماکے سے کائنات کے عدم سے وجود میں آنے کا سبب بنی؟ مادے میں شعور اور بالخصوص سیارہ زمین پر زندگی کو وجود دینے کے لیے موافق حالات کس ہستی نے پیدا کیے؟ یونیورسٹی آف ایڈلڈ آسٹریلیا کے پروفیسر پال ڈیویز بگ بینگ کے متعلق کہتے ہیں:

The explosive vigor of the universe is thus matched with almost unbelievable accuracy to its gravitating power the big bang was not evidently, any old bang, but an explosion of exquisitely arranged magnitude

"کائنات کی دھماکہ خیز طاقت (جو اس کے پھیلاؤ کا سبب بنی) اس کی ثقلی قوت سے کم و بیش ناقابل یقین حد تک درستگی کے ساتھ مماثلت رکھتی تھی۔ بگ بینگ کوئی معمولی نوعیت کا ابتدائی دھماکہ نہیں تھا بلکہ یہ غیر معمولی طور پر نپنی تلی شدت کا دھماکہ تھا۔"

(Paul Davies, Super force: The Search for a Grand Unified Theory of Nature, 1984, p. 184)

پروفیسر پال مزید لکھتے ہیں:

The evidence is strong enough to acknowledge the existence of a conscious cosmic design.

"کائنات کے پھیلاؤ میں خالق کے وجود کی شہادت انتہائی مضبوط اور ناقابل تردید ہے، جس سے ثابت ہے کہ کائنات کو سوچ سمجھ کر تخلیق کیا گیا ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ "دھماکہ" اصلاً ایک تخریبی واقعہ ہے۔ ہمارا عام مشاہدہ ہے کہ کبھی کوئی دھماکہ تعمیری نتائج پیدا نہیں کرتا۔ کائنات کی تاریخ میں صرف بگ بینک ہی واحد استثناء ہے جس نے تخریب کے بجائے تعمیری نتائج پیدا کیے۔ جس کے بعد کائنات اپنی تمام باریک ترین جزئیات سمیت نوع انسانی کے رہنے کے لیے ایک منظم اور مربوط نظام کی صورت وجود پذیر ہوئی۔

تخریب میں سے تعمیر برآمد کرنے کا یہ استثنائی واقعہ اس بات کا بین اور واضح ثبوت ہے کہ اسے ایک غالب و دانا ہستی نے برپا کیا ہے، جو تخریب کو تعمیر میں، "نہیں" کو "ہے" میں "اور ناممکن کو ممکن میں بدلنے پر قادر ہے۔ وہی اللہ ہے، جو چیزوں میں توازن، ہم آہنگی اور کامل نظم و ضبط پیدا کرتا ہے، چیزوں کو عدم سے وجود بخشتا ہے، وہی بداء ہے وہی انتہاء ہے۔ نہ اس سے پہلے کچھ تھا نہ اس کے بعد کچھ ہو سکتا ہے، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

کوئی بھی شخص اپنے اطراف میں موجود نظام قدرت کی نشانیوں کو بغور دیکھ کر اور ان کے گہرے مطالعے کے بعد اس حقیقت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ کائنات ایک بہترین مدبر اور لازوال خالق کی بے مثال تخلیق ہے۔ دنیا کو ہم جس پہلو سے بھی غور و فکر اور تدبر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں وہ ہمیں وجود باری تعالیٰ اور اس کی اعلیٰ ترین قوت و اختیار کی گواہی دیتی ہوئی نظر آتی ہے۔ مگر صرف وہی لوگ اللہ کی ان نشانیوں کو سمجھ سکتے ہیں جو دیدہء بینا اور عقل سلیم رکھتے ہیں۔

آسمان اور زمین کی پیدائش میں، رات اور دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں، ان کشتیوں میں جو انسان کے نفع کے لیے سمندروں میں چلتی ہیں، بارش کے اس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے، پھر اس کے ذریعے مردہ زمین کو زندگی بخشتا ہے، اور زمین میں ہر قسم کی مخلوق کو پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردش میں، اور آسمان و زمین کے درمیان تابع رکھے گئے بادلوں میں، عقل والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔ (سورۃ البقرہ: آیت

مسلم دنیا میں کاغذ کا انقلاب (Paper Revolution)

(نوٹ: یہ مضمون مصنف کی کتاب ”امت مسلمہ کی دعوتی، علمی اور تہذیبی تاریخ“ کی جلد چہارم IH04-A سے لیا گیا ہے۔)

محمد مبشر ندیر (جدہ)

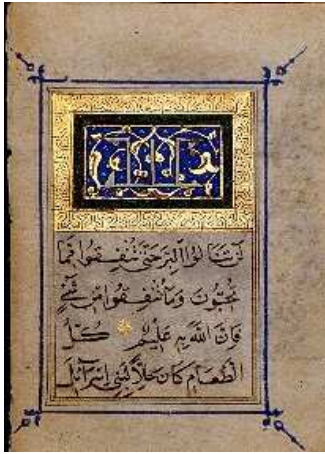
کاغذ CE 105 میں ایک چینی کاریگر تسائی لون نے ایجاد کیا تھا۔ اس سے پہلے لوگ پتھروں، مٹی کی تختیوں، پتوں، اونٹ کی ہڈیوں، جھلیوں اور چمڑے پر لکھا کرتے تھے چین ہی سے کاغذ دنیا بھر کو ایکسپورٹ کیا جاتا تھا۔ عالم اسلام چونکہ چین سے بہت دور واقع تھا، اس لیے یہاں کاغذ بہت مہنگا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں لکھنے کا رواج کم تھا۔ قرآن مجید وہ پہلی کتاب تھی جو عربوں کے ہاں لکھی گئی۔ عہد نبوی ﷺ میں قرآن مجید کو مختلف قسم کے میٹرلز پر لکھا گیا۔ خلفائے راشدین کے دور میں امپورٹڈ کاغذ پر اس کی کاپیاں تیار کی گئیں اور عالم اسلام میں پھیلائی گئیں۔ عہد صحابہ و تابعین میں صورت حال یہ تھی کہ لوگ کاغذ کو بطور ذاتی ڈائری استعمال کیا کرتے تھے۔ علم کے شائقین بڑے اہل علم کے ہاں حاضر ہوتے اور ان کے ساتھ طویل وقت بسر کرتے۔ ان سے قرآن و حدیث سیکھتے، علم فقہ اور تاریخ کا علم حاصل کرتے اور دیگر علوم سیکھتے۔ اس علم کو زبانی یاد کیا جاتا اور بعض لوگ اپنی ڈائریوں میں بھی اس علم کو نوٹ کر لیتے۔ عالم اسلام میں پہلی لائبریری حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (r. 41-60/661-680) نے قائم کی جس میں بعد میں بنو امیہ کے خلفائے بہت سے اضافے کیے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ (r. 98-101/717-720) نے اپنے دور میں حدیث اور فقہ پر بہت سی کتابیں لکھوا کر اس لائبریری میں داخل کیں۔

بنو عباس کے برسر اقتدار آنے کے بعد مسلمانوں کی علمی و فکری تاریخ کا وہ عظیم الشان واقعہ پیش آیا جسے ہم نے ”کاغذ کے انقلاب“ کا نام دیا ہے۔ ہوا یوں کہ عباسی افواج اور چینی شہنشاہ زوان ڈونگ (Xuandong) کی افواج کے درمیان موجودہ کرغیزستان کے علاقے میں دریائے تلاس کے قریب 134/751 میں ایک جنگ ہوئی جو کہ ”جنگ تلاس“ کہلاتی ہے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور اس علاقے پر اہل چین کا اقتدار ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ یہ علاقہ کاغذ کی انڈسٹری کا مرکز تھا اور یہاں سے کاغذ بنا کر عالم اسلام اور دنیا کے دیگر خطوں کو

ایکسپورٹ کیا جاتا تھا۔ اس جنگ میں جو قیدی مسلمانوں کے ہاتھ لگے، ان میں سے بہت سے لوگ کاغذ بنانے کے فن سے واقف تھے۔ ان سے خراسان کے مسلمانوں نے کاغذ بنانا سیکھا اور کچھ ہی عرصے میں سمرقند (موجودہ ازبکستان) کا علاقہ کاغذ کا مرکز بن گیا۔ جیسے جیسے کم قیمت کاغذ دستیاب ہوتا چلا گیا، مسلم علما کتابیں لکھنے کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ یہ سلسلہ 140 کے عشرے میں شروع ہوا اور تیسری صدی ہجری میں اپنے عروج کو پہنچا۔

ہارون الرشید کے وزیر فضل بن یحییٰ نے 180/797 کے لگ بھگ سرکاری ضرورت کے تحت کاغذ کی صنعت بغداد میں لگوائی۔ اس دور کا بغداد نہ صرف سیاسی بلکہ علم و فکر اور تہذیب کا مرکز بن چکا تھا۔ اس وجہ سے بغداد کی پیروی میں عالم اسلام میں جگہ جگہ کاغذ بنانے کے کارخانے قائم ہونے لگے۔ یہ صنعت عراق سے شام، فلسطین، مصر، شمالی افریقہ اور اسپین کی جانب منتقل ہوئی اور یہیں سے یہ یورپ میں داخل ہو گئی۔ دوسری طرف خراسان سے یہ صنعت جنوب میں موجودہ افغانستان اور پاکستان کے علاقوں میں پھیلی۔ جیسے جیسے مسلمان ہندوستان کو فتح کرتے چلے گئے، ویسے ویسے کاغذ کی یہ صنعت بھی ان کے ساتھ ہندوستان میں پھیلتی چلی گئی۔ اگرچہ کاغذ اہل چین نے ایجاد کیا لیکن دنیا میں اس کے پھیلاؤ کا سہرا مسلمانوں کے سر ہے۔

تیسری صدی ہجری کے اوائل میں مسلمانوں کے ہاں کاغذ کا استعمال عام ہو چکا تھا۔ اس کے نتیجے میں متعلقہ صنعتوں نے بھی ترقی کی جن میں کتابوں کی جلد بندی (Binding) نمایاں تھی۔ ایک کتاب میں موجود اوراق کو ریشم کے دھاگے سے سیاجاتا اور پھر اس پر چمڑے کی جلد بنادی جاتی۔ کتابوں کو پڑھنے کے قابل بنانے کے لیے ضرورت پیش آئی کہ تحریر کو خوبصورت سے خوبصورت انداز میں لکھا جائے۔ اس سے خطاطی کا آرٹ وجود میں آیا اور کتابیں لکھنے والے اہل علم اور کاتب اس آرٹ کو سیکھنے لگے۔ نہ صرف تحریر بلکہ کاغذ کے حاشیے کو بھی خوبصورت بنایا جانے لگا۔ جلد بندی میں ترقی ہوئی تو اسے بھی خوبصورت بنانے کی کوشش کی جانے لگی۔ اس طرح سے جلد بندی کا ایک نیا آرٹ تخلیق ہوا۔ یہاں پر ہم اس آرٹ کی بعض تصاویر پیش کر رہے ہیں۔ مسلم دنیا میں چونکہ مجسمہ تراشی اور تصویر کشی کے فن کو پسند نہیں کیا گیا، اس وجہ سے ان کے اعلیٰ درجے کے آرٹسٹ حضرات نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کا رخ خطاطی اور جلد بندی کے آرٹس کی طرف موڑ دیا۔ بعد میں لکھنے کے علاوہ کاغذ کے دیگر استعمال بھی سامنے آئے جن میں اشیا کی پیکنگ شامل ہے۔



Courtesy: http://www.iis.ac.uk/view_article.asp?ContentID=105553
(5 May 2013)

کاغذ کا یہ انقلاب جو محتاط اندازے کے مطابق تقریباً 50 برس میں وقوع پذیر ہوا، نے ایک عظیم علمی و فکری انقلاب کو جنم دیا۔ اہل علم کو جب کاغذ میسر آیا تو انہوں نے اسے اپنے خیالات کو پھیلانے کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اب تحریر کی حیثیت محض ذاتی ڈائری (Memory Tool) کی نہ رہی بلکہ یہ خیالات کو پھیلانے کا ایک ذریعہ (Communication Tool) بن گئی۔ اسی کی بنیاد پر نہ صرف مسلم دنیا میں علوم و فنون کو غیر معمولی ترقی حاصل ہوئی بلکہ یورپ کی ترقی بھی اسی کی مرہون منت تھی۔ کاغذ کے اس انقلاب کا موازنہ پندرہویں صدی عیسوی میں پرنٹنگ پریس کے انقلاب اور بیسویں صدی میں کمپیوٹر کے انقلاب سے کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ اگر کاغذ کا یہ انقلاب نہ آیا ہوتا، تو پرنٹنگ پریس ایجاد نہ ہو پاتا اور نہ ہی علوم و فنون اس درجے میں پہنچتے کہ کمپیوٹر ایجاد ہوتا، جس نے علم و فن کو ڈیجیٹائز کر دیا ہے۔

سوق الوترّاقین (The Market of Scribes)

کاغذ کے اس انقلاب میں نہایت ہی اہم کردار ”سوق الوترّاقین“ نے ادا کیا جسے ایک عالم احمد بن ابی طاہر نے قائم کیا۔ سوق عربی میں بازار یا مارکیٹ کو کہتے ہیں اور وراق کا مطلب ہے کاپی کرنے والا۔ اس دور کے تاجر ہمارے دور کے کتابوں کے تاجروں کی طرح علم و فکر سے دور نہیں ہوا کرتے تھے بلکہ بذات خود بڑے عالم ہوتے تھے۔ جب کاغذ کو علم کے پھیلاؤ میں بڑے پیمانے پر استعمال کیا جانے لگا تو ضرورت یہ پیش آئی کہ کتابوں کی کاپیاں تیار کی جائیں۔ ایک عالم کے لیے یہ تو ممکن تھا کہ وہ اپنی کتاب ایک بار لکھ لیں لیکن اگر اس کی مثلاً دس کاپیاں تیار

کرنا ہو تو یہ ان کے لیے ایک مشکل کام تھا۔ اس ضرورت نے ”وراقین“ کے طبقے کو جنم دیا۔

بعض وراقین (واحد وراق) بطور فری لانس کام کرتے اور مختلف دکانوں سے کام پکڑ کر سارا دن اس عمل میں مصروف رہتے۔ چونکہ ان کا کام یہی ہوتا تھا، اس لیے ان کی مہارت بہتر سے بہتر ہوتی چلی جاتی اور یہ بہت کم وقت میں کتاب کی نقلیں تیار کر لیتے تھے۔ چند ہی دن میں کتاب کی سو کاپیاں تیار ہو جاتیں اور جلد باندھنے والے ان کی جلدیں تیار کر لیتے۔ مصنف یا مصنف کے سرپرست امر انہیں معاوضہ ادا کرتے۔ اس کے بعد کتاب کی کاپیاں حسب ضرورت مختلف شہروں میں بھیج دی جاتیں۔ وہاں ضرورت پڑنے پر ان کی مزید کاپیاں تیار کر لی جاتیں۔ اس طرح چند ہی ماہ میں ایک مصنف کی کتاب پورے عالم اسلام میں پھیل جایا کرتی تھی۔ مورخ یعقوبی (d. 278/893) بیان کرتے ہیں کہ ان کے زمانے میں صرف بغداد ہی میں وراقین کی سو سے زائد دکانیں تھیں۔ یہ وراق خود بھی عالم ہوتے تھے تاکہ کتاب کو ٹھیک ٹھیک نقل کر سکیں اور بات کو کچھ سے کچھ نہ بنادیں۔ جو مصنفین وراقین کی خدمات انورڈ نہیں کر سکتے تھے، وہ خود یا ان کے شاگرد کتابوں کی نقول تیار کر لیتے تھے۔

اس زمانے میں کتابوں کی بین الاقوامی تجارت نے بھی تیزی سے ترقی کی۔ عہد صحابہ و تابعین ہی میں مسلمان عالمی تجارت کا نیٹ ورک قائم کر چکے تھے۔ جب کتابیں علم کے فروغ کا ذریعہ بنیں تو ہر علاقے میں ان کی زبردست ڈیمانڈ پیدا ہوئی۔ اس کے نتیجے میں کتابوں کا بزنس بہترین منافع دینے والا کاروبار بن گیا۔ تاجر ایک شہر کے ”سوق الوراقین“ سے کتابیں خرید کر دوسرے شہر کے سوق الوراقین میں فروخت کر دیتے۔ وہاں ہر کتاب کی مزید نقول تیار کر لی جاتیں اور پھر انہیں فروخت کر دیا جاتا۔ اہل علم کے حلقوں میں بھی کتابوں کی نقل در نقل کا سلسلہ جاری رہتا۔

اس طرح سے وہ انفراسٹرکچر وجود میں آگیا جو علم کے فروغ کے لیے ضروری تھا۔ اس طرح وہ تمام اسباب اکٹھے ہو گئے جن کے ذریعے علم کو مسلم دنیا میں فروغ ملا اور مسلمانوں کی ایکسیل ایج وجود میں آئی۔

• "مسلم تاریخ" کے مکمل کورس کے لیے نیچے دی گئی سائٹ پر رجسٹرڈ ہوں

www.islamic-studies.info

سماجی خوف سے نجات کیسے؟

حافظ محمد شارق

سماجی خوف یا ڈر دراصل ایک خاص قسم کی نفسیاتی بیماری ہے، جس میں مبتلا فرد ہر وقت یہ محسوس کرتا ہے کہ "لوگ صرف اسی کو دیکھ رہے ہیں اور اسی کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔" یہ نفسیاتی مرض کسی بھی فرد کو ہو سکتا ہے بالخصوص ایسے افراد کو جنہیں ماضی میں کسی ناکامی کے بعد لوگوں کی جانب سے تلخ تجربات کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ ایسے میں انسان ہر وقت اس بارے میں خوف زدہ رہتا ہے کہ اگر وہ کچھ کہے گا، یا کوئی بھی کام انجام دے گا تو لوگ انہیں تنقید کا نشانہ بنائیں گے۔ اسی خوف میں جیتے ہوئے وہ لوگوں سے حتیٰ الامکان کم تعلق رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص حقیقتاً Reserved یا کم گو شخصیت کا مالک ہو مگر عام طور پر جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو ان کے انداز گفتگو سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اس سماجی خوف کی بیماری میں مبتلا نہیں بلکہ وہ بلا ضرورت بولنا پسند نہیں کرتے۔ اس کے برعکس جو لوگ سماجی خوف میں مبتلاء ہوں وہ نہ صرف یہ کہ کم بولتے ہیں بلکہ بات کرنے سے کتراتے ہیں اور مختصر جواب دے کر موضوع کو Avoid کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

عام طور پر سماجی خوف میں مبتلاء ہونے کی وجہ خود اعتمادی کی کمی کے ساتھ ساتھ ممکنہ تلخ ماضی ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی شخص نے کسی اچھے کام کو بھلا جانتے ہوئے انجام دینے کی کوشش کی لیکن ذاتی تجربے کی کمی کے باعث وہ کام اتنی مہارت سے انجام نہ دیا جاسکا۔ ایسے تجربے کے بعد سننے والے تبصروں سے اگر اس شخص کے ذہن میں منفی اثر پڑتا ہے تو وہ کام اس شخص کے لیے خوف کا سبب بن جاتا ہے۔

سماجی خوف سے نجات حاصل کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اگر آپ واقعی اس سے نجات پانے کا پختہ ارادہ کیے ہوئے ہیں تو آپ چند معمولی چیزوں پر عمل کر کے اس سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔

- سب سے پہلے یہ جاننے کی کوشش کیجیے کہ آپ کس صورت حال کا سامنا کرتے ہوئے خوف محسوس کرتے ہیں۔ مخالف جنس سے

گفتگو، تقریر، کسی محفل میں بیٹھنا یا آشنا اور نا آشنا لوگوں سے گفتگو کرنے میں خوف محسوس کرتے ہیں۔ ان تمام صورتوں کو جاننے کی کوشش کریں اور جتنا ممکن ہو جان بوجھ کر ان کا سامنا کریں۔

- سماجی خوف کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ بعض اوقات اس بات کو بہت زیادہ محسوس کیا جاتا ہے کہ تمام لوگ آپ کے بارے میں اپنی رائے قائم کر رہے ہیں۔ یہی سوچ آپ کے اندر خوف پیدا کرنے لگتی ہے لہذا سب سے پہلے ضروری ہے کہ آپ اپنے اندر اس منفی سوچ کو ختم کریں۔ اس بارے میں بے پروا ہو جائیں کہ لوگ کیا سوچ رہے ہیں۔
- قطع نظر اس بات کہ وہ آپ کے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں آپ کو اپنے کام سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے اور دل جمعی کے ساتھ اپنے جائز اور صحیح کام کو انجام دینے میں مگن رہنا چاہیے۔
- محفل و مجالس میں خود کو خاموش طبیعت ظاہر کرنے سے بہتر ہے کہ بہتر موقع پر اپنی طرف سے گفتگو میں کچھ حصہ شامل کیجیے جس کی مدد سے آپ کی موجودگی کا ثبوت بھی رہے اور آپ کے سماجی خوف کا سد باب بھی ہو سکے۔ ممکن ہے دورانِ گفتگو آپ اس بات کو محسوس کریں کہ آپ کی بات کو اہمیت نہیں دی گئی مگر اس سوچ کو خود پر حاوی نہ کیجیے کیونکہ عین ممکن ہے کچھ لمحات کے بعد آپ کو احساس ہو کہ آپ کی بات کتنوں کے لیے معنی خیز ثابت ہوئی۔
- اپنے آپ کو اس بات کا یقین دلایئے کہ آپ گفتگو کر سکتے ہیں۔
- گفتگو کو بوجھلی بجائے ایک تفریح سمجھتے ہوئے کیجیے۔
- جلد بازی نہ کیجیے، شعوری طور پر اپنے دماغ کو حاضر رکھتے ہوئے آہستہ اور اچھے انداز سے گفتگو کریں۔
- اگر آپ سے کوئی گفتگو کا خواہش مند ہو تو بغیر کسی ڈر کے اس سے بات کیجیے۔ لیکن دھیان رہے کہ آپ کے جوابات نہایت مختصر نہ ہوں کیوں کہ یہ آپ کی شخصیت سے متعلق مخاطب پر منفی اثرات مرتب کر سکتے ہیں۔
- یہ معمول بنالیں کہ روزانہ آپ کو با آواز بلند مطالعہ کرنا ہے۔ کتاب کے الفاظ واضح بولیں تاکہ آپ میں بولنے کی عادت ہو۔
- کوئی پیر گراف یاد کر کے اسے شیشے کے سامنے دہرایئے۔
- اپنی باڈی لینگویج آزاد رکھیے۔

اپنی ذات میں استقامت کیسے پیدا کریں

مدیحہ فاطمہ قاسم (فیصل آباد)

دین کے حوالے سے استقامت راہ دین پر ثابت قدمی کو کہتے ہیں اور یہ استقامت حاصل کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر دین پر استقامت قائم کرنا کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن فرائض کی ادائیگی کا حکم ہمیں دیا ہے ان پر قائم رہنا اور سختی سے جمے رہنا ہی استقامت ہے۔ جب یہ استقامت دل میں پیدا ہو جاتی ہے تو ہمارا ایمان اور عقیدہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ کیونکہ دل ہی ایمان کی جڑ ہے۔ جب دل صحیح ہو گا تو انسان پورے کا پورا صحیح ہو گا۔ یعنی استقامت قلب سے مراد یہ ہے کہ انسان یقین کامل کے ساتھ ایمان (صحیح اسلامی عقیدہ) کو قبول کر لے اور موت تک اسی پر ڈٹا رہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَأَسْتَقِمْ كَمَا أَمَرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

آپ ثابت قدم رہیے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ اور وہ بھی (ثابت قدم رہے) جس نے آپ کی معیت میں (اللہ کی طرف) رجوع کیا ہے اور بندگی کی حد سے تجاوز نہ کرو۔ جو کچھ تم کر رہے ہو اس پر تمہارا رب نگاہ رکھتا ہے۔ (سورۃ ہود۔ آیت 112)

حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اسلام میں ایک ایسی بات بتا دیجئے کہ پھر میں اس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی سے نہ پوچھوں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تو کہہ میں ایمان لایا اللہ پر پھر ڈٹا رہا"۔¹

¹ صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 161

ہم اپنی زندگی میں کئی مرتبہ پلان کرتے ہیں لیکن استقامت کی عدم موجودگی کی وجہ سے اس پر حسب ضرورت عمل نہیں کر پاتے۔ ہمیں اپنی زندگی کے معاملات میں کامیابی کے لیے استقامت کو اختیار کرنا چاہیے۔ لیکن اس کے لیے سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ایسی کون سی چیزیں ہیں جو استقامت میں رکاوٹ ہیں۔

بنیادی طور پر دین میں استقامت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ "دنیا کی محبت" ہے۔ انسان اسی محبت کے وجہ سے دین پر قائم نہیں رہ پاتا۔ استقامت دین کے لیے ہمیں اپنے دل سے دنیا کی محبت کو ختم کرنا ہو گا۔ استقامت کے حصول کے لیے جن بنیادی باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے ان میں سرفہرست صبر کے حصول کی کوشش ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک فرمان کے مطابق جس نے اپنے اندر صبر کی صفت پیدا کر لی گویا اس نے سب سے بہتر اور سب سے وسیع خیر و بھلائی کو حاصل کر لیا۔ اس کے علاوہ صالحین یعنی نیک لوگوں کی صحبت سے بھی انسان میں استقامت دین کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور بندے کے ایمان کو تقویت ملتی ہے۔

دین کے علاوہ دنیاوی معاملات میں بھی استقامت و ثابت قدمی کامیابی کے لیے بہت اہم ہے۔ ہم کوئی بھی کام کرنا چاہتے ہیں تو اس پر ثابت قدمی ہی ہمیں کامیابی سے ہم کنار کراتی ہے۔ اس معاملے میں اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں استقامت چاہتا ہے تو اسے اپنے طریقوں، اپنی عادات اور سوچنے کے طریقے میں بھی استقامت اور ثابت قدمی پیدا کرنی ہو گی۔ استقامت حاصل کرنے کے لیے ہر دم یہ سوچنا چاہیے کہ آپ کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جو حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ آپ کے لیے کیا اہمیت رکھتا ہے۔ یہ سوال آپ کو اپنے آپ سے پوچھنے ہیں اور اس معاملے میں آپ کو اپنے ساتھ صادق، ایمان دار، بھروسہ مند، باوثوق اور قابل اعتماد ہونا پڑے گا۔ اس کے لیے مندرجہ ذیل حکمت عملی پر غور کریں:

☆ اپنے ساتھ ایمان دار رہیں

جھوٹ استقامت کا دشمن ہے۔ جھوٹ دھوکوں کا ایک پر فریب جال ہے جو انسان کو پھنسا کر اس کے اصل مقصد سے ہٹا دیتا ہے۔ اگر آپ اپنے ساتھ ایمان دار ہیں اور کہانیاں نہیں بناتے تو آپ استقامت حاصل کر سکتے ہیں۔ نماز فجر چھوٹ گئی تو کوئی بات نہیں قضا ہے نا اللہ معاف

کردے گا۔ بے شک اللہ معاف کرنے والا ہے لیکن وہ قہار اور جبار بھی ہے۔ اور جان بوجھ کر کیے گئے گناہ سچی توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے۔ یا سگریٹ ایک دفع پی لینے سے کچھ نہیں ہوگا۔ فلاں نے بھی آہستہ آہستہ ترک کی میں بھی آہستہ آہستہ ہی کروں گا۔ اور وہ آہستہ کبھی بھی نہیں آتی۔ تو یہ جھوٹ پر مبنی کہانیاں اور طفلی تسلیاں ہیں جو اپنے آپ کو عموماً دی جاتیں ہیں۔ تو سب سے پہلا تقاضہ یہ ہے کہ ہم اپنے آپ سے جھوٹ بولنا ترک کریں اپنے ساتھ ایمان دار رہیں۔

☆ منظم رہیں

یعنی آپ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں اس کے بارے میں پہلے سے ہی سوچیں کہ آپ کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں اور کس طرح۔ رستے کا تعین کیے بغیر اندھوں کی طرح بس چل پڑنا کامیابی کی طرف نہیں ناکامی کی طرف لے جاتا ہے۔ جب اہداف کا صحیح تعین نہیں ہوگا تو استقامت کا حصول مشکل ہو جائے گا۔

☆ اچھے دوست بنائیں

اچھی صحبت اور اپنے اہداف سے متعلقہ دوست احباب بنانے سے بہت مورل اسپورٹ ملتی ہے۔ ایک کے ساتھ دوسرا بھی مل جائے تو منزل آسان ہو جاتی ہے۔ اس لیے اچھی صحبت کو اپنائیں تاکہ اپنے کاموں میں استقامت حاصل کر سکیں۔

☆ اللہ سے مدد مانگیں

آخر میں سب سے اہم چیز یہ ہے کہ ہم اس معاملے میں اپنے پروردگار سے مدد طلب کریں۔ یقیناً کوئی بھی کام اللہ کی مدد کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے جب بھی کوئی ارادہ کریں تو ہمیشہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں دین و دنیا اور تمام اعمال صالحہ میں استقامت نصیب فرمائے۔

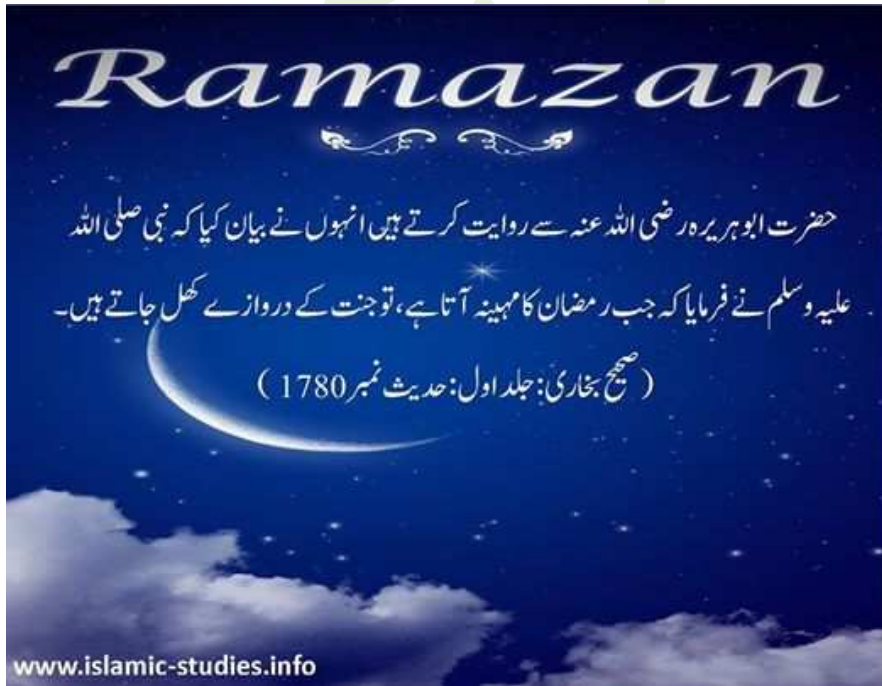
رَبَّنَا لَا تُخِزْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ بَدَّيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ

"اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر دے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما،

یقیناً تو ہی بڑی عطا دینے والا ہے۔" (سورۃ ال عمرآن - آیت 8)

اسائنمنٹ

1. آج اپنی ایسی عادتوں میں سے کسی دو کی نشاندہی کریں جن سے آپ چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں جیسے اگر آپ نماز پڑھنا چاہتے ہیں اور نہیں پڑھ پاتے۔
2. اس کے بعد ان عادتوں کو چھوڑنے کا ٹائم فریم مقرر کر لیں کہ کتنے عرصے میں آپ ان بری عادتوں کو ترک کر دیں گے؟
3. اس کے بعد آپ وہ بری عادتیں ترک کرنے کی کوشش شروع کر دیں۔
4. جب جب آپ اس میں ناکام ہوں تو اپنے اوپر جرمانہ لگائیں کہ اتنی رقم اللہ کی راہ میں انفاق کرنی ہے۔ یہ جرمانہ نہ تو بہت زیادہ ہو کہ آپ دے نہ سکیں اور نہ بہت کم کہ آپ کے نفس پر گراں نہ گذرے۔



آئیے توبہ کر میں۔۔۔

انیلہ عارف (پاکستان)

توبہ کے لفظی معنی لوٹنے اور رجوع کرنے کے ہیں لیکن شرعی اصطلاح میں توبہ کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ترک کر کے اطاعت کی طرف لوٹے اور آئندہ نافرمانی نہ کرنے کا پکا ارادہ کرے۔ اللہ پاک نے ہمارے اندر خیر اور شر دونوں مادے ڈال دیے ہیں اور ساتھ عقل بھی عطا کر دی کہ اپنی مرضی سے جو راہ چاہیں اختیار کریں۔ ہمارا نفس کبھی کبھی شیطان کے وسوسوں میں آکر ہمیں برائی کی طرف لے جاتا ہے اور ہمیں اللہ کی نافرمانی کی راہ پہ ڈال دیتا ہے۔

انسان خطا کا پتلا ہے وہ گناہ کر سکتا ہے، فرشتہ نہیں جس میں گناہ کا مادہ ہی نہیں۔ بلکہ انسان گرتا ہے اور پھر سنبھل کے اٹھتا ہے۔ یعنی گناہ کرتا ہے اور پھر احساس ہونے کی صورت میں توبہ بھی کرتا ہے۔ گناہ کے بعد کی جانے والی توبہ جس میں شرمندگی و ندامت ہو، رونا ہو، عاجزی و انکساری ہو تو یہ توبہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب لے جاتے ہیں بہ نسبت ہماری ایسی نیکیوں کے جن پہ ہمیں فخر ہو۔

توبہ اس لیے بھی کرنی چاہیے کہ ہمارا مالک ہماری خیر چاہتا ہے اور ہماری توبہ کا منتظر رہتا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے بچہ ماں کی انگلی چھوڑ کے بھاگ جاتا ہے تو ماں اس کی فکر کرتی ہے، اسے ڈھونڈتی ہے اور جب تک بچہ مل نہیں جاتا بے چین رہتی ہے۔ جب بچہ ملتا ہے تو اسے بے قراری و محبت سے اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ اللہ پاک کی محبت ماں کی محبت سے ستر گنا زیادہ ہے اس لیے جب ہم اللہ پاک کی طرف لوٹتے ہیں تو وہ ہمیں دھتکارتا نہیں بلکہ مہربان ماں کی طرح اپنی آغوش میں لیے لیتا اور پہلے سے بڑھ کر عزیز رکھتا ہے۔

توبہ سے قبل ضروری ہے کہ ہم کچھ یہ بھی جان لیں کہ گناہ کیا ہوتا ہے۔ گناہ دو طرح کے ہو سکتے ہیں۔ ایک وہ جس میں حقوق اللہ کی پامالی اور دوسرے وہ جس میں حقوق العباد کی پامالی ہو۔

ہمارے ہاں رجحان ہے کہ ہم سے حقوق اللہ کی پامالی ہو جائے مثلاً کوئی عبادت رہ جائے تو ہم توبہ کر لیتے ہیں لیکن حقوق العباد سے متعلق کسی گناہ پر کوئی توجہ نہیں دیتے۔ ہمیں ان دونوں ہی چیزوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ کوئی عبادت یا حقوق اللہ چھوٹ جائے تو اللہ کے حضور معافی مانگنی چاہیے اور کسی کی حق تلفی ہو جائے تو بھی متعلقہ فرد سے معافی مانگ لینا بہترین صورت ہے۔ اگر کسی وجہ سے متعلقہ شخص سے رابطہ نہ ہو تو متعلقہ فرد کو اپنی دعاؤں میں شامل کر لیں اور اللہ سے اپنے گزشتہ رویہ پر معافی کے طلب گار رہیں۔ اس کے علاوہ اگر کسی کا حق (مادی اشیا وغیرہ) ضبط کی ہیں تو متعلقہ شخص کو لوٹا کر اس سے معافی مانگنا بھی انسانی حقوق کی پامالی پہ توبہ کی ایک صورت ہے۔

توبہ کیسے کی جائے؟ اس کے لیے کوئی ضابطہ یا قانون نہیں، توبہ کے لیے بس اتنا ضروری ہے کہ آپ اللہ کے حضور سچے دل سے گناہ پر پشیمانی و شرمندگی کا اظہار کریں۔ گناہ کو نہ دہرانے کا عزم کریں اور اللہ کی مخلوق کے حقوق ادا کر کے اللہ کی رحمت کے طلب گار ہوں۔

♦ آئیے مایوسی چھوڑیں اور یہ سوچ کر توبہ کر لیں کہ اگر ہمارے گناہ زمین و آسمان کی وسعت سے بھی زیادہ ہو گئے ہیں پھر بھی اللہ پاک کی رحمت سے کم ہیں

♦ - آئیے ہم سب انفرادی طور پہ اللہ پاک کی طرف قدم بڑھائیں، سچی توبہ کریں کیوں کہ عرش پہ بہت مہربان دوست ہمارا انتظار کر رہا ہے تاکہ ہمارے گناہوں کو نیکیوں میں بدل کر اللہ پاک کے مقربین میں شامل کر لے۔

ہمارے رسولؐ اور عید

عدیلہ کوکب (گجرات، پاکستان)

عید اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے ایک بہترین تحفہ ہے۔ ہر سال ماہ شوال کی پہلی تاریخ کو عید الفطر (عید) اور ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو عید الاضحیٰ (بقر عید) آتی ہے۔ دونوں کے مجموعے کو "عیدین" کہتے ہیں۔ عید کے بارے میں مشکوٰۃ شریف میں چند عارفانہ جملے اس طرح آئے ہیں۔

"عید اس آدمی کے لیے نہیں ہے جو نئے کپڑے پہنے بلکہ اس کے لیے ہے جو عید سے امن میں (یعنی برے کاموں سے بچتا رہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کا مستحق ہو اور اس کے عتاب سے امن میں رہے) عید اس آدمی کے لیے نہیں ہے جو عود کی خوشبو سے معطر ہو بلکہ اس کے لیے ہے جو توبہ کرنے والا ہو کہ پھر گناہ نہ کرے عید اس آدمی کے لیے نہیں ہے جو آرائش دنیا کی زینت اختیار کرے بلکہ اس کے لیے ہے جو تقویٰ (پرہیزگاری) کو آخرت کے لیے زاد راہ بنائے۔ عید اس آدمی کے لیے نہیں ہے جو سوار یوں پر سوار ہو بلکہ اس کے لیے ہے جو گناہوں کو ترک کرے۔ اور عید اس آدمی کے لیے نہیں جو (آرائش و زیبائش کے) فرش بچھائے بلکہ اس کے لیے ہے جو پل صراط سے گزر جائے گا۔" (مشکوٰۃ شریف، ۱: ۱۳۹۸)

عید چونکہ ہمارے لیے اللہ کا تحفہ ہے اس لیے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی عید سے خصوصی لگاؤ تھا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید کے دن بھی عبادت و بندگی کا خاص خیال رکھتے اور عید کے دن بھی نماز و قرأت کی پابندی کرتے۔ اس مضمون میں ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عید کے معمولات کا جائزہ لیں گے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں عید کے لمحات گزار کر اللہ کی ابدی خوشنودی حاصل کر سکیں۔

عید کا چاند

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک عید کا چاند نہ دیکھ لیتے عید کا اعلان نہ کرواتے اور نہ خود عید کرتے۔ اگر بادل ہوتے اور چاند نظر نہ آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کے تیس دن پورے کر کے عید الفطر منانے کا کہتے۔ (صحیح البخاری: کتاب 30 باب 11)

نماز عید کی تیاری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز عید سے پہلے صدقہ فطر دیا کرتے اور مسلمانوں کو بھی اس کی تاکید کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ہر مسلمان مرد و عورت پر خواہ آزاد ہو یا غلام، کھجور یا جو کا ایک صاع (پانچ سیر) بطور صدقہ ادا کرنا فرض ہے" (صحیح بخاری، کتاب ۴۲، باب ۷۱) بعد میں صحابہ اکرام کے زمانے میں جب گندم آگئی تو انہوں نے گندم کے نصف صاع (یعنی اڑھائی سیر) باقی رائج الوقت چیزوں یعنی انگور، جو اور کھجور کے ایک صاع (پانچ سیر) کے برابر ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب ۴۲، باب ۷۲)

اسی طرح عید الفطر کے نماز کے لیے نکلنے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ کھا لیتے جیسا کہ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ:

"رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) عید الفطر کے دن جب تک چند چھوہارے نہ کھا لیتے، عید گاہ کی طرف نہ جاتے۔" (صحیح بخاری، ۹۱۶:۱)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ تر نماز عید الفطر سے پہلے طاق عدد میں چھوہارے کھایا کرتے (صحیح بخاری)۔ پھر نماز عید کے لیے گھر سے پیدل عید گاہ کی طرف چل پڑتے۔ (جامع ترمذی، ۵۱۸:۱)

نماز عید

عید گاہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر اذان کے عید کی نماز ادا کرتے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ

رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں کی نماز کے لیے اذان نہیں دی جاتی تھی۔ (صحیح بخاری، ۷:۱۳)

رسول ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن جب عید گاہ تشریف لے جاتے تھے تو سب سے پہلے نماز پڑھاتے، پھر سلام پھیرتے ہی لوگوں کے سامنے کھڑے ہو جاتے، جب کہ سب لوگ صفوں میں اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہتے اور آپ ﷺ انہیں وعظ و نصیحت فرماتے اور مختلف احکام دیتے چنانچہ اگر آپ ﷺ کو کوئی لشکر روانہ کرنا ہوتا تو اس کا انتظام فرماتے یا کوئی اور حکم دینا ہوتا تو وہ دیتے پھر واپس تشریف لے جاتے۔ (صحیح بخاری، کتاب ۱۳، باب ۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں ان دونوں میں (ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ اور اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ) سے ایک پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری ۱:۲۰۵۲)

عورتوں کی نماز عید

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو حکم دیا کہ وہ (حائضہ اور پردہ نشین) عید کے موقع پر عید گاہ پر تشریف لائیں اور مسلمان مردوں کے ساتھ دعا میں شرکت کریں۔ البتہ حائضہ کے متعلق فرمایا کہ نماز پڑھنے کی جگہ سے ذرا دور رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عید کے دن عید گاہ جانے کو اتنا پسند کیا کہ فرمایا: جس کے پاس چادر نہ ہو اس کی ساتھی اسے اپنی چادر دے دے اور سب عید گاہ کی طرف آئیں۔ (صحیح بخاری، کتاب ۸، باب ۲:۲)

رسول کریم ﷺ مردوں کو خطبہ دینے کے بعد عورتوں کی صفوں تک جاتے اور ان سے خطاب کرتے۔ ایک بار آپ ﷺ نے سورہ الممتحہ کی آیت ۱۲ تلاوت فرمائی:

"اے نبی ﷺ! جب تمہارے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کے لیے آئیں اور اس بات کا عہد کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی، اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ نہ لائیں گی اور کسی بھلے کام میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے حق میں اللہ سے دعائے مغفرت کرو، یقیناً اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: تم صدقہ دو۔ حضرت بلال نے اپنا کپڑا پھیلا دیا چنانچہ عورتیں اپنے چھلے اور انگوٹھیاں اس کپڑے میں ڈالنے لگیں۔ (صحیح بخاری، کتاب ۱۳، باب ۱۹:۱۹)

خوشی کا دن

حضرت انس بن مالک عید کے بارے میں فرماتے ہیں کہ دور جاہلیت میں لوگوں نے سال میں دو دن کھیل کود کے لیے مقرر کر رکھے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو ارشاد فرمایا تم لوگوں کے کھیلنے کودنے کے لیے دو دن مقرر تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں ان سے بہتر دنوں میں تبدیل کر دیا ہے۔ یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ (سنن نسائی، ۱:۱۵۶۱)

اس سے ظاہر ہے کہ عید مسلمانوں کے لیے خوشی اور کھیل کود کا دن ہے۔ جس میں وہ جائز طور طریقہ سے خوشی کا اظہار کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

ابو بکر آئے اور میرے پاس انصار کی دو لڑکیاں جنگ بعاث کے دن کا شعر گارہی تھیں اور ان لڑکیوں کا پیشہ گانے کا نہیں تھا، تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ شیطانی باجہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں؟ اور وہ عید کا دن تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابو بکر! ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور آج ہم لوگوں کی عید ہے۔ (صحیح بخاری، ۱: ۹۱۵)

ذرا سوچیے

- کیا ہماری عید رسول اکرم ﷺ کی طرح سادہ ہے؟
- کہیں ہم عید کے رحمت والے لمحات کو اونچے میوزک، شراب، یا ایسی ہی چیزوں کے ذریعے باعثِ غضب تو نہیں بنا رہے؟
- کہیں ہم رمضان کی اہم راتوں کو عید کی تیاری میں تو برباد نہیں کر رہے۔
- کہیں ہم حضرت عائشہ کے واقعہ (لڑکیوں کے دف بجانے) کو ڈھول اور فحش گانے والوں سے ملا کر ایسے کاموں اور پروگراموں میں شرکت تو نہیں کر رہے؟
- کیا عید مناتے ہوئے ہم کسی کو تکلیف دینے کا باعث تو نہیں بن رہے؟ (اسپیکر، لائٹنگ، شور و غل سے)

شوہر سے بدگمانی

پروفیسر محمد عقیل (کراچی)

انسانی شخصیت اور معاشرے کے لیے جو منفی رجحانات نقصان دہ ہیں ان میں بدگمانی بلاشبہ سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ یہ ایک ایسی برائی ہے جو انسان کی ذاتی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی تک بے سکونی، جھگڑے اور فساد کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر دیتی ہے۔ بدگمانی اپنے دل میں کسی کے بارے میں بری سوچ رکھنے کو کہتے ہیں۔

ہماری خاندانی زندگی بدگمانی کا ایک سب سے اہم شکار شوہر ہوتا ہے۔ عام طور پر خواتین اپنے شوہروں پر کئی پہلوؤں سے شک کرتی ہیں لیکن سب سے اہم پہلو یہی ہوتا ہے کہ یہ کسی دوسری عورت میں تو دلچسپی نہیں رکھتے۔ اس بدگمانی کے بے شمار نفسیاتی، جذباتی، واقعاتی یا دیگر اسباب ہو سکتے ہیں۔

خواتین کو یہ شک سب سے پہلے شوہروں کے رویے سے ہوتا ہے۔ شادی کے ابتدائی دنوں میں مرد کا رویہ بے حد رومانوی (Romantic) ہوتا ہے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں تبدیلی آتی جاتی ہے۔ رومانویت کی اس کمی سے بیوی کے دل میں یہی بات پیدا ہوتی ہے کہ شادی سے پہلے یا ابتدائی دنوں میں تو یہ جان نچھاور کرتے، محبت کا اظہار کرتے اور مجھ سے خوب باتیں کرتے تھے، اب یہ بدل گئے ہیں۔ ضرور کوئی چکر ہے۔ بس یہ چکر کا خیال آتے ہیں چکر آنا شروع ہو جاتے ہیں اور یہیں سے بدگمانی کا آغاز ہو جاتا ہے۔

ایک اور اہم سبب شوہر کا تاخیر سے گھر آنا ہے۔ دفتری یا کاروباری مصروفیات کی بنا پر مرد حضرات تاخیر سے گھر آتے ہیں۔ عام طور پر بیویوں کو شک ہوتا ہے کہ کیا معاملہ ہے۔ پھر شوہر تھکے ماندے گھر واپس آتے ہیں اور عام طور پر باتیں نہیں کرتے۔ بیوی جو سارا دن اس کا انتظار کرتی رہتی ہے اپنے پورے دن کی کٹھاسنانے کے درپے ہوتی ہے۔ شوہر عام طور پر کوئی دلچسپی نہیں لیتے یا پھر صرف ہاں ہوں کر کے بات

ٹالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اکثر مرد ویسے بھی خواتین کے مقابلے میں کم گو ہوتے ہیں۔ یہاں بھی بیوی میں بدگمانی پیدا ہوتی ہے کہ میری تو کوئی اہمیت نہیں، کوئی اوقات نہیں وغیرہ۔ یہاں سے ایک خود ساختہ بے چارگی، احساس کمتری، شک اور دیگر گمانوں کی ایک چین شروع ہو جاتی ہے۔

بدگمانی کی ایک اور ممکنہ وجہ شوہر کی آزاد خیالی، کھلامزاج یا ڈبل اسٹینڈرڈ ہوتا ہے۔ شوہر کا دیگر خواتین سے بات چیت کرنا، ان کے ساتھ ہنسنا بولنا، ان سے اچھی طرح بات چیت کرنا ایک بیوی کو بہت برا لگتا ہے۔ یہاں سے بھی بدگمانی پیدا ہوتی ہے۔ عورت خود کو کمتر سمجھتی اور شوہر پر مختلف طریقوں سے شک کرتی ہے۔

یہاں عین ممکن ہے کہ شوہر کی غلطی ہو اور اس کا رویہ نامناسب ہو لیکن اس کی نیت کسی عورت میں دلچسپی کا نہ ہو۔ اس صورت میں کی گئی بدگمانیاں سرد جنگ کو جنم دیتیں، لڑائی جھگڑے کا سبب بنتی اور بعض اوقات علیحدگی کا سبب بھی بن جاتی ہیں۔

ازواجی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے یہ ضروری ہے ہم اپنے دماغ پر خود کے ہی قائم کردہ بے بنیاد مفروضات کی زنجیر نہ لگائیں بلکہ حسن ظن قائم رکھتے ہوئے اپنے معاملات حسن انداز میں طے کریں۔ بدگمانی و شک ایک ادھورا علم ہوتا ہے اور ادھورے علم کی بنیاد پر زندگی کی عمارت تعمیر کرنا کوئی عقلمندی نہیں۔

عملی پلان

- اپنا احتساب کیجیے اور ایسے رشتوں کی لسٹ بنائیں جن کے بارے میں آپ کے دل میں بدگمانی پائی جاتی ہے۔
- بدگمانی کی وجوہات کی لسٹ بنائیں اور ان وجوہات کو آہستہ آہستہ ختم کرنے کی کوشش کیجیے۔
- بدگمانی کی عملی صورت اور اس کی اقسام سے متعلق مزید [یہاں](#) پڑھیں۔
- اگر آپ بدگمانی کو اپنے اندر سے ختم نہیں کر پارے تو ہم سے رابطہ کریں۔

سفر نامہ۔۔۔ ابلیس سے جنگ کی رواداد (قسط نمبر ۲)

پروفیسر محمد عقیل (کراچی)

روانگی

حج کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ ویکسین لگوائی تھی اور ساتھ ہی تمام سامان کی خریداری مکمل کر لی تھی۔ سن ۲۰۰۹ میں حج ۲۶ نومبر کو متوقع تھا۔ میری فلائٹ کاشیڈول ۵ نومبر رات ایک بجے کا تھا۔ میں چار نومبر کو جب کالج سے گھر پہنچا تو ارادہ تھا کہ کچھ دیر آرام کر لوں گا تاکہ رات کو سفر کی تکان سے بچ سکوں۔ لیکن جب کالج سے گھر پہنچا تو مہمانوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ یہ ہمارے سماجی رابطوں کا ایک حصہ ہے۔ اور اسے نبھانا بھی پڑتا ہے۔ چنانچہ میں نے سب سے ملاقات کی۔ اور فراغت کے بعد فائنل پیکنگ کی۔ اسی اثناء میں عشاء کی نماز ادا کی۔ عشاء کے بعد روانگی تھی۔ احرام باندھا جس کی بنا پر چلنے میں خاصی دشواری ہو رہی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے بعد میں مشکل آسان کر دی۔ احرام دراصل حج اور عمرے کا یونی فارم ہے۔ جس طرح کسی ملک کے فوجی وردی پہننے کے پابند ہوتے ہیں اسی طرح ایک حاجی بھی اس وردی کا پابند ہے۔ مجھے احرام باندھنے کے بعد ایک طمانیت اور قرب الہی کا احساس ہوا کہ اللہ نے مجھے اپنے سپاہیوں میں شامل کر لیا۔ پاکستان سے جانے والے حاجی زیادہ تر حج تمتع کرتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے وطن سے احرام عمرے کے لیے باندھا جائے اور پھر مکہ میں عمرے کی ادائیگی کے بعد احرام اتار دیا جائے۔ پھر جب حج کے ایام شروع ہوں تو دوبارہ حج کے لیے دوسرا احرام باندھا جائے۔ حج کی دوسری قسم حج قرآن ہے جس میں حاجی اپنے ملک سے حج ہی کی نیت سے احرام باندھتا ہے اور دس ذی الحج تک اسے پہنے رکھتا ہے۔ میرا حج بھی حج تمتع تھا۔

احرام

ہمارے گروپ لیڈر رافع صاحب نے بتایا تھا کہ بعض اوقات فلائیٹ لیٹ ہو جاتی ہیں یا کسی ایمر جنسی کے سبب کینسل بھی ہو سکتی ہیں۔ اسی بنا پر احرام باندھنے کے باوجود میں نے عمرے کی نیت نہیں کی تھی کیونکہ نیت کرنے کے بعد اور میقات کی حدود شروع ہوتے ہی احرام کی

پابندیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ ان پابندیوں میں سر یا چہرے کو ڈھانپنا، بال یا ناخن کاٹنا، خوشبو لگانا، خشکی کا شکار کرنا، شہوت کی باتیں کرنا اور ازدواجی تعلق قائم کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ ان پابندیوں کا فلسفہ یہی ہے کہ حج شیطان کے خلاف جہاد کا اعلان ہے۔ چنانچہ جب رب اپنے بندے کو پکارتا اور شیطان کے خلاف برسرِ پیکار ہونے کا حکم دیتا ہے تو یہ بندہ سفید کپڑوں کی وردی ملبوس کر لیتا ہے۔ اب اس پر دنیا کی زیب و زینت اور لذت حرام ہے یہاں تک کہ وہ اس جنگ میں برسرِ پیکار ہو کر اپنے دشمن کی ناک رگڑ دے اور اپنے مالک کی وفاداری کا ثبوت پیش کر دے ایئر پورٹ پر کافی رش تھا۔ وہاں کچھ مددگار لوگوں کو گائیڈ کر رہے تھے اور انہیں حج کے بارے میں بتا رہے تھے۔ میرے گھر والے اور بیٹیاں بھی مجھے چھوڑنے آئیں تھیں لیکن ان کی محبت پر خدا کی محبت غالب آچکی تھی اور اب ان کی اتنی فکر محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ بہر حال تمام گھر والے ایئر پورٹ پر آئے تھے۔ ان سے ملنے کے بعد تقریباً دس بجے بورڈنگ شروع ہوئی اور میں اندر داخل ہوا۔ امیگریشن کے مراحل طے ہونے میں دو گھنٹے لگ گئے۔ بالآخر تمام مراحل طے کرنے کے بعد ڈیپارچر لاؤنچ میں بیٹھ گئے۔ ہمارے گروپ کے تمام ساتھی جمع ہو چکے تھے۔ میرا ایک دوست آصف بھی اسی گروپ سے جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔

لبیک

ہماری فلائٹ رات ایک بج کر بیس منٹ پر تھی۔ میں نے لاؤنچ میں ارد گرد نگاہ ڈالی تو سب ہی مرد حضرات سفید احرام میں ملبوس تھے اور یہ منظر انتہائی دل فریب لگ رہا تھا۔ کچھ لوگوں نے عمرے کی نیت کر لی تھی۔ تقریباً رات کے ایک بجے ہم جہاز میں سوار ہوئے۔ رن وے پر اس وقت تاریکی کا راج تھا لیکن فضا ساکت اور خوشگوار تھی۔ جہاز تقریباً آدھے گھنٹے لیٹ تھا۔ میری بائیں جانب ایک بزرگ بیٹھے تھے جبکہ دائیں جانب میں نے اپنی بیوی کو بٹھایا تھا۔ جہاز نے ہولے ہولے سرکنا شروع کیا اور میں نے بھی تبلیہ پڑھ کر عمرے کی نیت کر لی۔ طیارے کی فضا میں لبیک کی صدا ایں بلند ہونے لگیں۔

لبیک اللہم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک، ان الحمد والنعمة لک والملك لا شریک لک۔

یہ تبلیہ پڑھتے ہی اپنے رب کے بلاوے پر بندہ اپنے مال و اسباب کو چھوڑ کر نکل کھڑا ہوا ہے۔ وہ کہہ رہا ہے:

اے رب میں حاضر ہوں، حاضر ہوں کہ تیرا کوئی شریک نہیں، تعریف تیرے ہی لئے، نعمت تیری ہی ہے اور تیری ہی بادشاہی ہے جس میں تیرا کوئی شریک نہیں۔

یہ ترانہ پڑھتے ہوئے بندہ اپنی وفاداری کا اظہار کر کے، اپنا مورال بلند کرتا اور یقینی فتح کے نشے میں جھومتے ہوئے دشمن کے تعاقب میں نکل چکا ہے۔ وہ دشمن جو اس کا ازلی دشمن ہے جس نے اس کے آبا و اجداد کو جنت سے نکلوا یا اور اب بھی اس کو شش میں مصروف ہے کہ اسے شکست دے سکے۔

پاکستان سے جانے والوں کے لیے فضا میں ہی نیت کرنا لازمی ہوتا ہے کیونکہ جہاز فضا ہی میں میقات پر سے گزر جاتا ہے۔ میقات وہ حرم کی حدود ہے جس سے باہر احرام باندھنا اور اس کی نیت کرنا باہر سے آنے والوں کے ضروری ہوتا ہے۔

(جاری ہے۔۔۔)

محبت کیا ہے؟

امام طبرانی نے حضرت عبدالرحمن بن حارث سلمیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ: ہم ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ ﷺ نے پانی منگایا، اس میں ہاتھ ڈال کر وضو فرمایا، ہم نے وہ پانی لے کر پی لیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں کس چیز نے اس عمل پر آمادہ کیا؟ ہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت نے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ تم سے محبت کریں تو تم (یہ کام کرو) اگر تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو اسے ادا کرو، اور جب بات کرو تو سچ بولو، اور جو تمہارے پڑوس میں آکر رہے، اس سے اچھا سلوک کرو۔“

حاسہ اخلاق اور پیغمبروں کی ضرورت

سوال: السلام علیکم بھائی! امید کرتا ہوں سب خیریت سے ہوں گے۔ میں کچھ دنوں سے فطرت کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ میرا سوال یہ ہے کہ اگر ہمارے اندر حق اور باطل کا شعور موجود ہے تو پھر پیغمبروں کو کیوں بھیجا گیا؟

(محمد علی رضا)

جواب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ ہم سب خیریت سے ہیں۔ فطرت سے متعلق آپ نے جو سوال کیا ہے وہ بہت معقول ہے، لیکن ہم اس تصور کو دوسری جہت میں سمجھنے کی کوشش کریں تو یہ معاملہ بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خیر و شر میں بنیادی امتیاز کے لیے انسان کی فطرت میں ہی بعض تصورات و دیت کر دیے ہیں۔ یہ دراصل ایک حاسہ اخلاق ہے جس کی روشنی میں ہم سارے فیصلے کرتے ہیں۔ اب یہاں آپ کا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر خیر و شر کا شعور انسان کی فطرت میں ہے تو پھر وحی و نبوت کی ضرورت؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خیر و شر کا شعور انسان میں موجود ہے مگر اس کے اطلاقات اور جزئیات و تفصیلات سے انسان کما حقہ آگاہ نہیں ہے۔ مثلاً دنیا کا ہر انسان اس بات کو تسلیم کرے گا کہ ناجائز مال ہڑپ کرنا، کسی کی مجبوری کا فائدہ اٹھانا، جھوٹ بولنا، دھوکہ کرنا یہ سب غلط ہے۔ وہ ان سب کو غلط دراصل اسی حاسہ اخلاق کی بنا پر کہتا ہے، مگر اس بات کا تعین کرنا کہ مال ہڑپ کرنا کیا ہے، جھوٹ بولنا کیا ہے، دھوکہ دینا کیا ہے، یہ سب انھی بدیہی تصورات کی جزئیات ہیں جن کے لیے انسانی عقل و وحی کی محتاج ہے۔ مثلاً سود کی مثال دیکھ لیجیے۔ ناجائز مال ہڑپ کرنا اور کسی کی مجبوری کا فائدہ اٹھانا ہر انسان کے نزدیک غلط ہے، مگر پھر بھی غیر مسلم سود کو حرام نہیں سمجھتے کیونکہ اس بارے میں غلطی کا شکار ہو گئے کہ سود کا تعلق ان برائیوں سے نہیں ہے۔ ایسی ہی چیزوں کو واضح کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے وحی کا سلسلہ جاری فرمایا ہے۔

حافظ محمد شارق

انتخاب: حافظ محمد شارق	محمد ﷺ اور مغربی مفکر برناڈشا
<p>دوسری جنگ عظیم جاری تھی، دنیا میں ہر طرف خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا، جنگی ہتھیاروں، بموں، اور لاشوں نے لوگوں کو نفسیاتی مریض بنادیا تھا، ہر ایک کے اعصاب لرز رہے تھے۔ ان ہی دنوں لندن کے ایک کیفے میں مغرب کے کئی دانشور عالمی حالات اور نوع انسانی کے مستقبل کے حوالے سے سر جوڑ کر بیٹھے ہوئے تھے اور اپنے فکر مندانه خیالات کا تبادلہ کر رہے تھے۔ ہر ایک ان حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے اپنی استعداد کے مطابق مختلف آراء پیش کر رہا تھا۔ لیکن جب اس کی دانش پیش کردہ رائے کا تجزیہ کرتی تو اسے یہ احساس ہو جاتا کہ نوع انسانی کی بقاء کا کوئی مستقل لائحہ عمل دینے سے اسکا ذہن لاچار ہے۔ اس محفل میں معروف مغربی دانشور برناڈشا بھی موجود تھا۔ اس نے تمام مفکرین کی آراء سننے کے بعد اپنے ایک ہاتھ میں چائے کا کپ اٹھایا اور کہا، ”اگر آج محمد ﷺ آجائیں تو دنیا کے تمام مسائل کو حل کرنے میں انہیں اتنی دیر بھی نہیں لگے گی، جتنی دیر میں، میں چائے کے کپ کو خالی کروں گا۔“</p>	



قرآن مجید میں گرامر کی غلطی

بہت سے معترضین قرآن پر اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن میں فلاں مقام پر عربی گرامر کی غلطی ہے، فلاں جملہ یوں غلط ہے وغیرہ۔ ان اغلاط کے متعلق عربی زبان کے اکابرین ادب نے بہت سے جواب دیے ہیں جن کا مطالعہ مفید ہے، لیکن عربی سے نابلد ایک عام شخص کے لیے یہ بنیادی نکتہ یاد رکھ لینا کافی ہے کہ آپ کے پاس پیمائش کے لیے ایک آلہ ہے، اسی آلے کی مدد سے آپ کو فیصلہ کرنا ہے کہ فلاں چیز صحیح ہے یا غلط۔ اب اگر کوئی اسی آلے کو ہی غلط کہہ دے یہ بات سراسر غیر منطقی ہے۔ اسی طرح عربی زبان و ادب کا اعلیٰ ترین معیار اور نصاب قرآن مجید ہے۔ جب عربی کا نصاب ہی قرآن ہو تو آپ اسے کیسے غلط قرار دے سکتے ہیں؟ (انتخاب: رمشا سلیم، کراچی)

اسرار الہی کو جاننے کا نسخہ

اگر واقعی تم سچے ہو اور راز و اسرار الہی کو معلوم کرنے کے خواہش مند ہو۔ تو سری پائے، نہاری یا بروسٹ کھاتے ہوئے کوشش نہ کرو۔ بلکہ اگر سچ مچ جاننا چاہتے ہو تو پھر اس کا ایک بڑا سیدھا اور پائیدار نسخہ ہے۔ وہ یہ کہ احکام الہی کے اندر پورے کے پورے داخل ہوں۔ جوں جوں آپ احکام الہی کے اندر داخل ہوتے جائیں گے، اس ماہیت کے اندر اپنے آپ کو سمیٹتے جائیں گے، آپ پر اسرار الہی ضرور واضح ہونا شروع ہوں گے۔ ماخوذ از۔ زاویہ ۱ (اشفاق احمد) (انتخاب:

طاہرہ ملک، واہ کینٹ)

شاعرانہ انتخاب

میرے رب!

میرا اب جی یہ چاہتا ہے

کہ اپنی ذاتِ خلوت سے

فریبِ نفس کی اس جلوت سے

ہجومِ سنگراں، اس دنیا کی

ہر نسبت سے

جو تجھ سے دور کرے

ہر اس "نعمت" سے

ناطہ توڑ کر اپنا

تعلق توڑ کر اپنا

تیری منزل کی جانب

کہیں روپوش ہو جاؤں

میں اک درویش ہو جاؤں

شاعر: سید اسرار احمد، کراچی

نہیں میں محتاج دنیا کا اک تیرے سوا یارب

میرے سجدے قبول کر لے میری سانس ٹوٹنے سے پہلے

انتخاب: محمد حسن، لاہور

لفظ لفظ موتی

♦ ایک خدا پرست زندگی کا مطلب یہ نہیں کہ انسان دنیا کو

ترک کر دے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اعلیٰ ترین

اخلاقی معیار کو اپنی زندگی کا مقصد بنالے اور اللہ تعالیٰ اور

اس کی مخلوق کے حقوق ادا کرے۔

♦ جسم میں موجود زہر کو نکالنا اتنا مشکل نہیں ہوتا، مگر کسی کا

دل زہر سے آلود ہو جائے تو دنیا کا کوئی ڈاکٹر اس زہر کو

نکال نہیں سکتا۔ بجز اسکے وہ انسان خود اس زہر کو نکال کر

پھینک دے۔ (حفیظ باہر)

♦ رواج سے بغاوت تخلیق کی طرف پہلا قدم ہے۔ (حافظ

محمد شارق)

♦ نماز سے روحانی طاقت تب ہی حاصل ہوتی ہے جب پوری

نماز، پوری توجہ اور انہماک سے پڑھی جائے۔ اور تصور

میں کم از کم یہ ہو کہ ہم باری تعالیٰ کے حضور پیش ہیں۔

(محمد شکیل عاصم)

♦ انسان کی غلطیاں اسے وہ درس دیتی ہیں جو اُسے کسی بڑی

سے بڑی درس گاہ سے بھی نہیں مل سکتا۔

♦ متکبر آدمی کی پہچان یہ ہے کہ وہ صرف نصیحت کرتا ہے،

ستنا نہیں۔ (احمد جاوید)

★★★★★★★★

نعتِ رسول

کوئی محشر میں مرے دل کو سہارا دینا
میرے آقا مجھے بھی اپنا نظارہ دینا

تشنہ لب ہے مرے آقا مرا سحرائے وجود
اپنی رحمت کا کوئی قطرہ خدا را دینا

ہے طلب چاند کی یہ آج بھی میرے آقا
نوکِ انگشت سے وہ تیرا اشارہ دینا

بحرِ ظلمات میں ڈوبا ہے یہ عالم آقا
اور تری سنت کا ہے کام کنارہ دینا

حسرتِ جلوہ دیدار لئے پھرتا ہوں
خواب میں ہی سہی پر اپنا نظارہ دینا

شاعر: حنا محمد

★★★★★★★★

★★★★★★★★

حمد باری تعالیٰ

اک لفظ کن ہی باعثِ نقش و نگار ہے
یارب! تو کائنات کا پروردگار ہے

یہ عرش و فرش، لوح و قلم، مہر و ماہ و نجم
ہر شے پہ یا کریم تجھے اختیار ہے

معبود ہے تو ہی یہاں، مسجود ہے تو ہی
ہر چیز تیرے سامنے سجدہ گزار ہے

تو ہے غفور، تو ہی رحیم و کریم بھی
بندوں کے حال پر کرم بے شمار ہے

اے برگ اس کی کون ثنا کر سکے یہاں
یہ حمد شاعری کا میری شاہکار ہے

شاعر: برگ یوسفی

(انتخاب: سارہ آسین، کلر سعید ادا)

★★★★★★★★

نئی کتابوں کی اشاعت۔۔۔ بہترین کارکردگی دکھانے والے طلباء و طالبات۔۔۔ فہم القرآن سیشن کا آغاز۔۔۔ رمضان تربیتی کورس

﴿تعلیم میں اعلیٰ کارکردگی دکھانے والے طلباء و طالبات﴾

شیخ معزالدین
ماریہ رابعہ
عظمیٰ عنبرین
فیصل رحمان
ڈاکٹر رفعت نواب
کاشف شیخ
سنیڈار (لاہور)
بنت فاطمہ
مونا علی
میمونہ ضیا
الحسن تھامس
Josef Elkes Bergin
بشریٰ حسین
سجاد احمد
عاصم اشرف
طلحہ سونو

تعارف کتاب

1۔ منطقی مغالطے

علم منطق پر اجیکٹ کے ضمن میں اہم مغالطوں (Fallacies) سے متعلق یہ مختصر سا کورس ڈیزائن کیا ہے جس میں انتہائی آسان اسلوب میں یہ بتایا گیا ہے کہ غلط استدلال کیا ہوتا اور ہم انہیں کیسے پہچان سکتے ہیں۔ اس ضمن میں ہم نے قدیم و جدید منطق میں بتائے گئے مغالطوں میں سے بعض اہم مغالطوں کا انتخاب کیا ہے۔

اس کورس میں خود بھی انرول ہونے یا اپنے دوست احباب کے ساتھ شئیر کرنے کے لیے اس سائٹ کو وزٹ کریں۔

www.islamic-studies.info

فہم القرآن سیشن کا آغاز

رمضان المبارک میں علوم اسلامیہ پروگرام کے احباب و طلباء میں رمضان تربیتی سیشن کا آغاز کیا گیا جس کا مقصد اس رمضان المبارک کو اپنے لیے سرمایہ آخرت بنانا ہے۔ یہ سیشن انتہائی شاندار انداز سے جاری ہے۔ جبکہ فہم القرآن سیشن بھی الحمد للہ جاری ہے اور اب اس کا آٹھواں سیشن چل رہا ہے۔

2۔ امت مسلمہ کی دعوتی، علمی اور تہذیبی تاریخ

عہد رسالت: ماڈیول 30

یہ کتاب اسلامک سٹڈیز پروگرام کے شعبہ تحقیق کی کاوش ہے جس کے محمد مبشر نذیر صاحب ہیں۔ اس میں عہد صحابہ کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ دور جسے حضور ﷺ نے خیر القرون سے تعبیر کیا، علمی و دعوتی اور دینی و اخلاقی لحاظ سے پوری مسلم تاریخ میں اس لیے اہم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسلامی تہذیب کی جو بنیادیں رکھی تھیں اس دور میں اس کا عملی مظہر ساری دنیا کے سامنے آیا۔

نئے آن لائن شارٹ کورسز

- دین کے بنیادی تقاضے
- منطقی مغالطے
- رمضان تربیتی کورس

یہ کتاب حاصل کرنے کے لیے اس لنک پہ رجسٹر ہوں

www.islamic-studies.info/lms

یہ کتاب حاصل کرنے کے لیے اس لنک پہ رجسٹر ہوں

www.islamic-studies.info